شمارہ دسمبر
2016
ست رنگ
محمد
طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجبت شکر علینا
ما دعا للہ داع
ست رنگ
میگزین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ •

اداریہ......

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے...... غبار راہ کو بخشا فروغ وادیء سینا......

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر ...... وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یاسین وہی طٰحہ '......"

اسلام وعلیکم..................

الحمداللہ "ست رنگ میگزین" کے پانچویں شمارے اور دسمبر 2016 کے آخری شمارے کے ساتھ حاضر خدمت ہیں۔ ماہ دسمبر اور ماہ النورؐ ربیع الاولؐ کا آغاز ہو چکا ہے۔ ربیع الاول کا مہینہ وہ بابرکت مہینہ جب سرزمین عرب پر ایک چاند چمکا جس کی روشنی نے عرش تا فرش ہشرق تا مغرب کل عالم کو منور کر دیا اور صدیوں سے چھائے ہوئے جہالت کے اندھیرے اور گمراہی کی دلدل میں سر تا پیر ڈوبی ہوئی انسانیت کو ایک نئی زندگی بخشی۔ اللہ پاک قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں..................

﴿وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ •﴾

(بے شک ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے......")

آپ صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس وہ روشن مینار ہے جس نے کل عالم کو منور کیا آپ صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے رستے پر چل کر ہی ہم دنیا اور آخرت میں فلاح پا سکتے ہیں...... آپ ﷺ سے محبت ایمان کا تقاضا ہے...... بحیثیت مسلمان ہمیں فخر ہے کہ ہم اس نبی صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں جنہیں تمام نبیوں پر فوقیت حاصل ہے......

﴿غنچہ از شاخسار مصطفیٰ گل شواز باد بہار مصطفیٰ﴾

ماہ دسمبر سال کا آخری مہینہ، یعنی کہ سال ختم ہونے کو ہے...... یہ سال بھی گزر گیا گذشتہ سال کی طرح...... وقت کیسے گزر گیا اور گزرتا ہی چلا جا رہا ہے کچھ خبر نہیں...... دن سال اور مہینے یوں محسوس ہوتا ہے کہ پلک جھپکتے گزر رہے ہیں...... اور زندگی کے کئی قیمتی ماہ و سال یوں ہی ختم ہو چکے ہیں...... سال بھر کیا کھویا اور کیا پایا کئی سوال ذہن کے دریچوں پر دستک دے رہے ہیں...... مگر گزرے ہوئے ماہ و سال کا حساب کتاب کرنے کی آج کسے فرصت، جتنی وقت کی رفتار تیز ہوئی ہے اتنا ہی انسان مصروف ہو چکا ہے...... سوشل میڈیا اور جدید ٹیکنالوجی نے جہاں فاصلوں کو سمیٹا اور بہت سی سہولیات فراہم کیں وہی ساتھ رہنے والوں اور پاس بیٹھے ہوؤں کو ایک دوسرے سے کوسوں دور کر دیا ہے ...... نا صرف اپنوں سے دور کیا بلکہ دین و مذہب سے بھی بیگانہ کر دیا ہے ...... آج معاشرے میں سب کچھ ہے مگر نہیں ہے تو خوف خدا باقی نہیں، شرم و حیا، تہذیب، ادب لحاظ، سچائی اور ایمانداری کا کال پڑ چکا ہے اور اس کی وجہ صرف اور صرف ہماری قرآن و سنت سے دوری ہے ایک طرف تو ہم خود کو آقائے دو جہاں رحمت العالمین کا امتی کہلوانے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں تو دوسری طرف ہم اپنے نبی کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے سے قاصر ہیں۔ جبکہ اللہ پاک قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

" تمہارے لئے نبی پاک ﷺ کی زندگی بہترین نمونہ ہے " (سورہ الاحزاب)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے سید البشر امام النبین، حضرت محمد ﷺ کی ذات عالی صفات کو ہمارے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے، ہماری فلاح ان کی اتباع میں رکھی گئی ہے۔ آپ کی اطاعت کو مکمل اصلاح کا نسخہ اکسیر اور دنیا و آخرت کی ہر کامیابی کا ضامن بنا دیا گیا تو اس لئے کہ ان کی ذات زندگی کے ہر شعبہ میں بڑی ہی مثالی، مکمل اور اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتی ہے ایسا بہترین طرز عمل کہ دشمن تک جس میں کوئی کمی کوئی نقص اور کوئی کمزوری تلاش نہ کر سکا۔ عبادات کا معاملہ ہو، معاملات کا یا حقوق باہمی، عادات و آداب معاشرت کا انہوں نے ہر لحاظ سے ہمیں بہترین راہ دکھائی۔

یہ ہماری کوتاہ نظری اور بدنصیبی ہے کہ ہم اطاعت و اتباع کے معاملہ کو صرف نماز، روزہ وغیرہ چند عبادات پر منحصر سمجھ لیا ہے ...... جسکا نتیجہ ہے ہوا کہ آج ہم نماز، روزہ اور عبادات کے بارے میں تو بے شک دیندار کہلائیں گے۔ مگر معملات و معاشرت وحقوق باہمی کے معاملہ میں بالکل غافل اور بے شعور ہونے اسلام اور مسلمانوں کے لئے ننگ عار ہوں گے...... سچی بات یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں اور مسلمان اگر کسمپرسی کی حالت میں ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کے ہم صرف قول کے مسلمان ہیں مگر ہماری زندگیاں نبی ﷺ کی اسواء حسنہ کی عملی پیروی سے خالی ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حضور پاک سرور کائنات، خیر البشر ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک ایک جزو غور سے پڑھیں، سیکھیں اور ان کی ہدایات، اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر وہی جذبہ تازہ کریں جو صحابہ کرام کے پاس تھا، جنہوں نے پورے دل و جان سے آپ ﷺ کے احکامات کی پیروی کی آپ ﷺ کی سنت کو اپنا شعار بنایا تو دنیا اور آخرت دونوں میں سرخ رو ہوئے۔

الحمداللہ ربیع الاول کے اسی بابرکت مہینے میں "ست رنگ" ماہ دسمبر کا شمارہ اس مرتبہ بے شمار خصوصی ست رنگ سلسلوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے آپ کے سامنے پیش خدمت ہے اور امید کرتے ہیں کہ ہمیشہ کی طرح پسندیدگی کی سند پائے گا۔ قارئین کی بے پناہ پسندیدگی کے پیش نظر میگزین میں تین سلسلے وار ناول کا آغاز کیا جا رہا ہے، جو کہ یقیناً آپ سب کی توجہ کا مرکز بنیں گے۔ میں ان سب دوستوں کی بھی مشکور ہوں جو اس محنت اور کاوش میں قدم بہ قدم ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں اور ہمیں کہاں کہاں اصلاح کی ضرورت ہے اس کے لئے ہم آپ کی قیمتی آراء کے منتظر رہیں گے۔ آخر میں بزبان اقبال بس اتنا کہوں گی۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب، گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب۔

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور کا فروغ، ذرہ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب۔

خوش رہیئے اور دوسروں میں خوشیاں بانٹتے رہیئے۔

دعا گو: علینہ ملک۔

نعت
طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
ما دعا للہ داع
وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہوا ہے
جب تک ایک دعا مانگنے والا بھی موجود ہے
ہم پر لازم ہے
کہ اللہ کا شکر ادا کریں"

فہرست

ایڈیٹر۔عدیلہ سلیم۔علینہ ملک۔کہکشاں صابر

میگزین کورڈیزائنر۔کہکشاں صابر

میگزین ڈیزائنر۔عدیلہ سلیم

میگزین کمپوزر۔علینہ ملک

اداریہ۔

☆☆☆

مضامین۔کالم۔

☆☆☆

ناول۔

☆☆☆

افسانے۔

☆☆☆

رنگ بہاراں۔

☆☆☆

English Poetry...

☆☆☆

کچن کارنر۔

☆☆☆

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم غیروں کی نظر میں
ثمرین یعقوب

☆محمد مصطفیٰ ﷺ غیروں کی نظر میں☆

تحریر۔ثمرین یعقوب۔

ؔپھول عبداللہ کا مہکا انوکھی شان سے
بت پگھل کر رہ گئے خاروں کو چکر آ گئے ؔ

محمد لفظ اپنی اصل حمد سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے تعریف کرنا۔ یہ نام آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول، خاتم النبیین، حضور اکرم، رحمت للعالمین اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القابات سے بھی پکارا جاتا ہے۔

مغربی مصنف مائیکل ہارٹ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب The Hundred میں دنیا کے ان سو عظیم ترین آدمیوں کا ذکر کیا ہے جنھوں نے دنیا کی تشکیل میں بڑا کردار ادا کیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے شمار پر رکھا ہے۔ مصنف ایک عیسائی ہو کر بھی اپنے دلائل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورے نسل انسانی میں سیّد البشر کہنے کے لائق ہیں۔ [31] تھامس کارلائیل نے 1840ء کے مشہور دروس (لیکچرز) میں کہا کہ "میں محمد سے محبت کرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ ان کی طبیعت میں نام و نمود اور ریا کا شائبہ تک نہ تھا۔ ہم انہی صفات کے بدلے میں آپ کی خدمت میں ہدیۂ اخلاص پیش کرتے ہیں"۔ فرانس کا شہنشاہ نپولین بونا پارٹ کہتا ہے "محمد دراصل سرورِ اعظم تھے۔ 15 سال کے قلیل عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر ڈالی۔ مٹی کی بنی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ تھا آنحضرت کی تعلیم کا "۔ جارج برنارڈ شا لکھتا ہے "موجودہ انسانی مصائب سے نجات ملنے کی واحد صورت یہی ہے کہ محمد اس دنیا کے رہنما بنیں"۔ گاندھی لکھتا ہے کہ "بانی اسلام نے اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی جس نے انسان کو سچائی کا راستہ دکھایا اور برابری کی تعلیم دی۔ میں اسلام کا جتنا مطالعہ کرتا ہوں اتنا مجھے یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ یہ مذہب تلوار سے نہیں پھیلا"۔ جرمنی کا مشہور ادیب شاعر اور ڈرامانگار " گوئٹے "حضور کا مداح اور عاشق تھا۔ اپنی تخلیق "دیوانِ مغربی" میں گوئٹے نے حضور اقدس کی بارگاہ میں جگہ جگہ عشق محمد کا اظہار کیا ہے اور ان کے قدموں میں عقیدت کے پھول نچھاور کئے ہیں فرانس کے محقق ڈی لمرٹائن نے اپنی کتاب "تاریخِ ترکی" میں انسانی عظمت کے لئے جو معیار قائم کیا اس ضمن میں فاضل تاریخ دان لکھتا ہے "اگر انسانی عظمت کو ناپنے کے لئے تین شرائط اہم ہیں جن میں ۱(۔ مقصد کی بلندی،) ۲(۔ وسائل کی کمی،) ۳(۔ حیرت انگیز نتائج)۔ تو اس معیار پر جدید تاریخ کی کون سی شخصیت محمد سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہے"۔ فرانسیسی مصنف دی لمرتین لکھتا ہے "فلسفی، مبلغ، پیغمبر، قانون ساز، سپاہ سالار، ذہنوں کا فاتح، دانائی کے عقائد برپا کرنے والا، بت پرستی سے پاک معاشرہ تشکیل دینے والا۔ بیسیوں ریاستوں کو ایک روحانی سلطنت میں متحد کرنیوالا.....................وہ محمد ہیں.....................جہاں تک انسانی عظمت کے معیار کا تعلق ہے ہم پوچھ سکتے ہیں کہ ان معیاروں پر پورا اُترنے والا محمد سے بھی کوئی برتر ہو سکتا ہے"۔؟ ڈاکٹر شیلے پیغمبر آخرالزماں کی ابدیت اور لاثانیت کا اقرار کرتے ہوئے لکھتے ہیں "محمد گزشتہ اور موجودہ لوگوں میں سب سے اکمل اور افضل تھے اور آئندہ ان کی مثال پیدا ہونا محال اور قطعاً غیر ممکن ہے۔ غرض ہمارے پیارے نبی پاک ﷺ اس کائنات کی سب سے معزز ترین ہستی کہ ان جیسا نہ کوئی تھا نہ ہے اور نہ ہی قیامت تک ہوگا آپ ﷺ کی عظمت کا اقرار ساری دنیا نے کیا، کیا مسلمان اور کیا ہی غیر مسلم سب آپ ﷺ کی شخصیت کے معترف ہیں اور رہیں گے۔ انشاءاللہ۔

☆دست خدا نے کھول کے باب انقلاب کا
سورج کیا طلوع رسالت ماب کا☆

میرے
جناح کی
زندگی
کہکشاں صابر
©lubna.javaid

☆میرے جناح کی زندگی☆

از قلم۔۔۔کہکشاں صابر

قائداعظم سب سے عظیم رہبر اور بابائے قوم یعنی قوم کا باپ، قائداعظم کا یوم پیدائیش پاکستان میں بہت جوش وجذبے سے منایا جاتا ہے۔

ہم قائداعظم کے سیاسی اور تعلمی پہلو سے تو واقف ہے لیکن ہم ان کی ذاتی زندگی کو نہیں جانتے ہم نہیں جانتے کہ ہمارا لیڈر کیا اور کیسا تھا

آپ 25 دسمبر 1876 کو کراچی میں پیدا ہوئے جو کہ اس زمانے میں ممبئ کا ہی حصہ تھا آپ کا پیدائیشی نام محمد علی جناح رکھا گیا گو کہ ابتدائی سکول ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ جناح کی پیدائیش 20 اکتوبر 1875 تھی لیکن بعد میں جناح نے خود اپنی تاریخ پیدائیش 25 دسمبر 1876 بتائی۔ آپ کے والد کا نام جناح پونجا (1857-1901) گجرات کے ایک مالدار تاجر تھے جو کہ جناح کی پیدائیش سے کچھ عرصہ پہلے کاٹھیاوار سے کراچی منتقل ہوئے۔ آپ کے دادا کا نام میگجی تھا جو کہ کاٹھیاوار کی ریاست گوندل میں بھاٹیا نسل سے تعلق رکھتے تھے ابتدائی طور پر یہ گھرانہ ہجرت کر کے ملتان کے نزدیک ساہیوال میں آباد ہوا کچھ ذرائع سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جناح کے آباؤاجداد ساہیوال پنجاب سے تعلق رکھنے والے ہندو راجپوت تھے جو کہ بعد میں مسلمان ہو گئے قائداعظم گو کہ اسمائیلی شعیہ پس منظر رکھنے والے خوجہ تھے لیکن انہوں نے اپنی بہن فاطمہ سمیت اپنا مسلک شعیہ اسمائیلی سے تبدیل کر کے اثناعشریہ کر لیا تھا۔ جس کا ثبوت ان کا نکاح نامہ کا عکس ہے۔۔۔۔۔

آپ اپنے والد جناح پونجا کے سات بچوں میں سے سب سے بڑے بیٹے تھے جناح کے دیگر بہن بھائیوں میں تین بہنیں اور تین بھائی تھے بھائیوں میں احمد علی، بندے علی اور رحمت علی جبکہ بہنوں میں مریم جناح، فاطمہ جناح اور شیریں جناح شامل تھیں آپ کی مادری زبان گجراتی تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھی، سندھی، اردو اور انگریزی بھی بولنے لگے جناح ایک بے چین طالب علم تھے جنہوں نے کئی تعلیمی اداروں سے تعلیم حاصل کی۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

جناح پونجا کو اپنے ہونہار بیٹے کا مستقبل بہت عزیز تھا جناح پونجا چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا بھی ان کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائے کیونکہ وہ اپنا کاروبار کو بہت وسیع کرنا چاہتے تھے اس وقت ان کے تعلقات ایک بین الاقوامی تجارتی کمپنی گراہم شپنگ کے ساتھ بہت بہتر تھے

1892 میں آپ برطانیہ کی گراہم شپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی میں تربیتی پیش نامہ کے لئے گئے۔ ایک ایسا تجارتی کام جو کہ پونجا جناح کے کاروبار سے گہرا تعلق رکھتا تھا تاہم برطانیہ جانے سے پہلے آپ کی والدہ کے دباؤ پر آپ کی شادی ایک دور کی رشتہ دار ایمی بائی سے کر دی گئی جو کہ آپ سے دو سال چھوٹی تھی تاہم یہ شادی زیادہ عرصہ نہ چل سکی کیونکہ آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ مہینے بعد ایمی جناح وفات پا گئی۔لندن جانے کے کچھ عرصے بعد آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور قانون کی تعلیم حاصل کی 19 سال کی عمر میں قانون کی ڈگری حاصل کرنے والے کم سن ترین ہندوستانی کا اعزاز حاصل کیا اس کے ساتھ سیاست میں بھی آپ کی دلچسپی بڑھنے لگی اور پھر آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ دوران تعلیم محمد علی کو کئی صدمات کا سامنا کرنا پڑا محمد علی جناح کے انگلستان پہنچنے کے چند ماہ بعد پہلی اطلاع ملی کہ ایمی بائی انتقال کر گئی اور اس کے بعد والدہ بھی خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس سے جناح کے دل ودماغ پر بہت بوجھ پڑا اور آپ فورا کراچی واپس آ گئے جب کراچی پہنچے اس وقت پونجا کا کاروبار سخت خسارے میں تھا ان ہی حالات کے پیش نظر جناح نے اپنے خاندان کو سہارا دینے کے لئے وکالت شروع کر دی۔ اس کے بعد آپ پریکٹیس

کے لیے ممبئی چلے گئے تین سال بڑی مشکلات کا سامنا کرنے کے بعد مزید چھ ماہ بعد آپ کے جوہر کھول کر سامنے آئے اور حالات کا روخ بدلنا شروع ہوا۔

اس دوران محمد علی جناح کو مجبورا دوسری شادی کرنی پڑ گئی یہ شادی ایک پارس لڑکی کے ساتھ 19 اپریل 1918 کو ھوئی اس لڑکی کا نام رتن بائی تھا، جناح اپنی سیاسی مصروفیات کی بنا گھر پر زیادہ توجہ نہ دے سکے جس کے بنا پر ان کے درمیان علیحدگی ہوگئی جناح کی ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام دینا تھا اس نے ایک پارسی نوجوان سے شادی کر لی اس وجہ سے محمد علی جناح اپنی بیٹی سے زندگی بھر نہ ملے۔

1940 کے بعد قائداعظم تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے ،صرف ان کی بہن اور ان کے قریبی چند لوگ آپ کی حالت سے واقف تھے 1948 میں جناح کی صحت بگڑنا شروع ہوگئی برطانوی حکومت سے پاکستان کی آزادی کے بعد ان پر ذمہ داریوں کا بوجھ مزید بڑھ گیا تھا اس دوران بحالی صحت کیلئے انہوں نے کچھ دن زیارت میں قیام کیا ان کی بہن کے مطابق 1 دسمبر 1948 کو ان کی طبعیت مزید بگڑنے لگی تو ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ مقام ان کے لیے موافق نہیں وہ کراچی میں ہی رہے تو بہتر ہے قائداعظم کوئٹہ سے کراچی واپس لایا گیا جناح کراچی میں گورنر جنرل کے گھر پر 11 دسمبر 1948 کو پاکستان کی آزادی کے صرف ایک سال بعد انتقال فرما گئے۔آپ کا مزار کراچی میں ہے

برصغیر کی ملت اسلامیہ کا نجات دہندہ خود اس دنیائے فانی سے نجات حاصل کر کے ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو گیا۔اور تا قیامت کراچی کے قائد آباد میں مقیم ہوا۔اللہ مغفرت فرمائے اس عظمت کے مینار کی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

☆☆☆

سقوطِ ڈھاکہ حقائق کیا؟
علینہ ملک

سقوط ڈھاکہ، حقائق کیا؟

علینہ ملک ۔ کراچی ۔

قوموں کی تاریخ میں بہت سے دن یادگار ہوتے ہیں جن میں سے کچھ دن سنہری حروف سے لکھے جاتے ہیں تو کچھ سیاہ باب کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، دونوں طرح کے دنوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ اپنا رخ اکثر موڑتی ہے تو کئی واقعات اور سانحات جنم لیتے ہیں اور کوئی بھی سانحہ یا حادثہ ایک ہی دن میں رونما نہیں ہوتا بلکہ اس کے پیچھے کئی سالوں سے جمع ہونے والی محرومیاں، کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوتی ہیں جو اس واقعے کا سبب بنتی ہیں ایسا ہی ایک دن ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ کا ہے جب مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہوا اور بنگلہ دیش بن گیا۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو بہت سی سچائیاں، بہت سی کڑوی حقیقتیں، کئی ناانصافیاں اور بہت سی کوتاہیاں دل کو چیرنے لگتی ہیں۔ آہ کس قدر مشکل ہوتا ہے اپنے لہو سے اپنے غم کی داستان لکھنا، ان تلخ حقیقتوں کو بیان کرنا جو ساری صورتحال کا سبب بنی۔ پاکستان جب وجود میں آیا تو مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان دو بالکل جدا علاقے تھے اور ان کے بیچ ہزاروں میل کا فاصلہ تھا، وہ ملک جو ایک نظریے اور ایک عقیدے کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا، وجود میں آتے ہی کئی مسائل سے دوچار ہوگیا۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں فاصلے زیادہ ہونے کی وجہ سے معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی طور پر کئی مسائل نے سر اٹھا رکھا تھا، مشرقی پاکستان چونکہ خطے اور آبادی کے لحاظ سے مشرقی پاکستان سے کئی گناہ بڑا تھا، جس کی وجہ سے وسائل کی منصفانہ تقسیم ممکن نہ تھی۔ جبکہ بنگالیوں کو مغربی پاکستان سے کئی ہزار شکوے تھے۔ پاکستان کے وجود میں آتے ہی قائداعظم نے اردو کو قومی زبان کا درجہ دے دیا جب کے مشرقی پاکستان کی اکثریتی آبادی بنگلہ زبان بولتی اور سمجھتی تھی جس پر ایک کانٹا تو بہت پہلے ہی بنگالیوں کے حلق میں پھنس گیا تھا، پھر مشرقی پاکستان کو یہ بھی گلہ تھا کہ مغربی پاکستان اس کے وسائل سے آمدنی حاصل کرر ہا ہے اور پھر اسے قومی سطح کے منصوبوں سے بھی دور رکھتا ہے، غرض ایک لاوا تھا جو اندر ہی اندر پکتا گیا اور ایک دن شدت سے پھٹ گیا۔ بلاشبہ اس آگ کو بھڑکانے میں شیخ مجیب الرحمٰن نے بھی اہم کردار ادا جو بنگالیوں کے نمائندہ رہنما تھے مگر ان کو آج غدار اور ملک دشمن کہا جاتا ہے کیونکہ بنگالیوں کے دلوں میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا، اور اس ساری صورتحال سے بھارت نے فائدہ اٹھاتے ہوئے مکتی باہنی کے روپ میں اپنی فوجیں مشرقی پاکستان میں اتار دیں اور نتیجہ یہ نکلا کے پاکستان دولخت ہوگیا۔ ۱۹۴۷ سے ۱۹۵۸ تک گاہے بگاہے اچھے برے حالات چلتے رہے اور مسئلے مسائل سامنے آتے رہے۔ جو تلخیاں بڑھاتے رہے، اگر کوشش کی جاتی پوری لگن اور سچائی کے ساتھ تو مسائل کا حل ممکن تھا مگر جب اپنی ہی آستین میں سانپ پل رہے ہوں تو پھر اسے نتائج سامنے ضرور آتے ہیں۔ ۱۹۵۸ مین جنرل ایوب خان کے مارشل لاء نے بنگالیوں میں احساس محرومی کو اور بڑھا دیا کیونکہ اقتدار ایک فرد واحد کے گرد گھومنے لگا تھا اور فرد واحد بھی وہ جسکا تعلق مغربی پاکستان کی فوج سے تھا، پھر اسلام آباد کو دارالخلافہ بنا دیا گیا، مشرقی پاکستان میں بھی بنگالیوں کے ساتھ پنجابی فوج کو بھرتی کیا جانے لگا۔ ۱۹۷۰ میں عام انتخابات کروائے گئے جو کہ پاکستان کے سب سے پہلے شفاف انتخابات تھے، مشرقی پاکستان سے ۱۶۲ میں سے ۱۶۰ سیٹیں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے حاصل کیں، جبکہ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے ۱۳۸ میں سے ۸۱ سیٹیں حاصل کیں، اس طرح عوامی لیگ کو مشرقی پاکستان میں مکمل کامیابی حاصل کرنے کے بعد حکمرانی کا حق حاصل

ہوگیا تھا مگر بدقسمتی سے اقتدار اکثریتی پارٹی کو منتقل کرنے کے بجائے سودے بازی کی جانے لگی، اور جس کی وجہ سے معاملات سلجھنے کے بجائے بگڑنے لگے۔ یحیٰی خان جو کے ایڈمنسٹریٹو مارشل لاء تھے انھوں نے سودے بازی میں ناکامی کی صورت میں فوجی ایکشن شروع کر دیا جس کے نتیجے میں بھارت جو پہلے

سے ہی ساز باز میں مشغول تھا اسے کھلے عام مداخلت کا موقع مل گیا، اور جنگ میں ناکامی کی صورت میں بنگلہ دیش میں جرنل نیازی کو بھارتی جرنیل اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے، اور نوے ہزار شہری اور فوجی جنگی قیدی کی حیثیت سے بھارت کے پاس چلے گئے، بلاشبہ یہ دن پاکستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دن تھا، اور وہ دیس جو ۲۵ سال پہلے وجود میں آیا تھا دولخت ہو گیا۔ جو قومیں اپنی تاریخ سے سبق حاصل کرتی ہیں وہ کامیاب رہتی ہیں مگر المیہ تو یہ ہے کہ ہر سال ۱۶ دسمبر آتا ہے اور لکھنے والے بہت کچھ لکھتے ہیں، بہت سی باتیں، دعوے اور وعدے بھی کیے جاتے ہیں مگر افسوس عملی طور پر کچھ بھی نہیں کیا جاتا۔ آج بھی وہی ملک کے حالات ہیں کہ ہم اندرونی اور بیرونی سازشوں کا شکار ہیں، آپس میں اتفاق نہیں اور ایک دوسرے کے لئے گھڑے کھودے جاتے ہیں بس صرف اور صرف اقتدار کی جنگ جاری ہے ملک کو مضبوط کرنے اور بیرونی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے مل کر کام کرنے کی کسی کو فرصت نہیں۔ نجانے ہم کب اپنا اچھا یا برا سمجھیں گیں۔ ضرورت تو اس امر کی بھی ہے کہ ملک کے دفاع اور بھلے کی خاطر بالا تخصیص ان لوگوں کو بھی کٹھرے میں لایا جائے جو ملک کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے یا بن رہے ہیں۔

اخروٹ
عدیلہ سلیم

☆اخروٹ کی افادیت☆

تحریر۔عدیلہ سلیم

اخروٹ کا روزانہ استعمال بڑھتی عمر کو صحت مند ہونے میں مدد دیتا ہے تا کہ خون میں موجود کولیسٹرول کی سطح کو بہتر بنانے اور برقرار رکھتے ہوئے ایک اچھی صحت ملتی ہے، ماہرین کی ریسرچ کے مطابق اخروٹ کو مکمل غذا کے طور استعمال کرنے سے پروٹین فراہم ہوتی ہے اور عمل انہضام کو بھی بہتر کرتا ہے تاہم کچھ لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اخروٹ میں اعلیٰ قسم کیکیلوریز موجود ہوتی ہے جس سے وزن بڑھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن لو مالنڈا یونیورسٹی اور بارسلونا کے ایک ہسپتال کی تحقیق کے مطابق کہا گیا ہے کہ اگر درمیانی عمر کے لوگ ایک مٹھی روزانہ کھائے تو ان کے وزن میں کمی اور کولیسٹرول کی سطح بھی کم ہوتی جاتی ہے

کولیسٹرول میں کمی۔

ڈبلیو-اے-ایچ-اے کے مطالعہ میں 60-82 کی عمر کے 707 لوگوں کا معائنہ کیا جن میں زیادہ تر لوگ ہائی بلڈ پریشر، شوگر اور موٹاپا جیسی بیماریاں موجود تھی۔ اس میں دو گروپ شامل تھے، 260 وہ لوگ تھے جو اخروٹ کا استعمال باقاعدگی سے کرتے ہیں اور باقی افراد اخروٹ کے استعمال سے دور بھاگتے ہیں تجربہ کرنے کے بعد بتایا کہ اخروٹ کا استعمال آپ کو غذائیت سے بھرپور انرجی فراہم کرتے ہیں اور کولیسٹرول کے معیار کو کم کرتے ہیں بارسلونا کے ہسپتال کلینک میں مطالعہ کے دوران ان ڈاکٹروں میں سے ایک ڈاکٹر نے کہا کہ اگر زیادہ عمر کے مریض اخروٹ کا استعمال طویل عرصہ تک کرے تو مختلف پیچیدگیوں سے بچ سکتے ہیں، اگر مریضوں کو حوصلہ اور ہمت دے تو مریض جلد ہی صحت یاب ہو سکتا ہے ۔موت کے خطرات کو کم کرنے، اور ٹائپ ٹو ذیابیطس اور دل کی بیماری سے بچنے کے لیئے اگر اخروٹ

کا استعمال زیادہ کرے تو صحت کے لیے فائدہ مند ہے لوگ پہلے منفی اثرات کے طور پر اخروٹ کا استعمال نہیں کرتے تھے، لیکن موجودہ تحقیق نے لوگوں میں اعتماد پیدا کیا کہ اخروٹ وزن بڑھاتا نہیں بلکہ کم کرتا ہے اور کولیسٹرول کو بڑھنے بھی نہیں دیتا، اگر مزید جائزہ لے گے کہ تو یقین ہے کہ اخروٹ مزید فوائد فراہم کرے گا۔

ناول
تم سے بن جی نہ سکے
نعیم سجاد

پیش لفظ۔

اللہ سبحان تعالیٰ کے نام سے شروع جو نہایت رحم کرنے والا ہے۔

السلام وعلیکم ورحمتہ وبرا کاتہٗ۔

اپنے تمام قارئین اور مصنفین کے نام میرا ایک چھوٹا سا پیغام۔

"تیرے بن جی نہ سکے" میرا پہلا طویل ناول۔ مجھے معلوم ہے کہ عظیم مصنفین کے درمیان جگہ بنانا بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ میرا ناول "تیرے بن جی نہ سکے"۔۔۔ عام پیرائے میں لکھا ایک دلچسپ ناول ہے۔ اور اتنی امید کرتا ہوں کہ آپ سب کو بھی بہت پسند آئے گا (انشاءاللہ)۔ محبت اس کائنات کی سب سے اہم حقیقت ہے جو اگر کسی پر آشکار ہو جائے تو وہ اس میں ڈوب جاتا ہے اور اگر محبت سے زیادہ دوسری مادی چیزیں حاوی آ جائیں تو رشتے اور محبتیں کہیں کھو سی جاتی ہیں۔ اگر زندگی میں کبھی محبت ہو جائے تو اسے نبھانا سیکھو اس کا اظہار کرو، ورنہ گمشدہ محبت ہمیشہ ان دیکھے عذاب میں مبتلا رکھتی ہے۔

یہ ناول ان کرداروں کے بارے میں ہے جو اپنے آپ کو کامل سمجھتے ہیں کسی دوسرے کی ذات ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اور خبر تب ہوتی ہے جب سب ہاتھ سے پھسل چکا ہوتا ہے۔

یہ ناول ہے ان کے بارے میں جو اپنے رشتوں کے بغیر سانس لینا بھی دشوار خیال کرتے ہیں۔ لیکن ان رشتوں سے جدا ہونا ان کی مجبوری بن گئی۔۔۔ یہ ناول ہے ان لوگوں کے بارے میں کہ جو دوسروں کے آسرے پر چلنے والے ہیں۔ اگلا بے شک ان کو اندھی دلدل میں دھکیل دے۔۔۔ یہ ناول ہے ان لوگوں کے بارے میں ہے جو دوسروں سے حد سے زیادہ توقعات وابستہ رکھتے ہیں، جبکہ توقعات ریت کے گھروندے کی مانند ہوتی ہیں جو ایک ہوا کے جھونکے سے ٹوٹ جاتی ہیں۔

یہ ناول ہے ان لوگوں کے بارے میں جن کو ہر ایک اپنا لگتا ہے لیکن ان کے بارے میں ان کی رائے غلط نکلتی ہے۔

میرے ناول کو پڑھیے اور سر دھنیے۔ یہ میرا کسی بھی میگزین میں پہلا ناول ہے جو سلسلہ وار شائع ہو رہا ہے۔ میں مس علینہ کا اور ان کی ٹیم کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنے میگزین میں جگہ دی۔

میرا ناول پڑھیے اور اپنی تعریف وتنقید بذریعہ "ست رنگ" پہنچا سکتے ہیں انتظار رہے گا۔

نعیم سجاد۔۔۔۔۔۔۔

ناول۔ تیرے بن جی نہ سکے۔۔۔۔۔

(قسط نمبر ا)

تحریر۔نعیم سجاد۔اسلام آباد

اس سنگلاخ وادی کے بیچوں بیچ چلتے جائیں تو دور ایک گھر سے دھویں کا مرغولہ ہوا میں معلق ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ جہاں بادلوں میں معلق ہو کر دھویں اور بادلوں کا فرق مٹا رہا ہے، چہار سو جنگلی گلاب باڑ بنائے راستہ مستود کئے دیتے تھے۔ دور جھرنے برسوں سے شور مچائے چلے جا رہے تھے، جنگلی گلاب کے سرخ و سفید پھول عجب بہار دکھلا رہے تھے۔ خوشبو چہار سو تھی اور ان سب سے آگے چراہ گاہ میں چلو تو دیکھو کہ کیا ہے جگہ جگہ بکریاں اور دوسرے مویشی چرتے نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں ان کی رکھوالی کرنے کے لئے آئے بچے، جو رکھوالی کم اور چھپن چھپائی یا گولا گرم زیادہ کھیلتے نظر آ رہے تھے، اٹھلاتے پھر رہے تھے، پہاڑ سر سبز تھے چیڑ، دیودار اور صنوبر شان سے کھڑے تھے، سینہ تانے اس بات سے بے خبر کہ ایک چنگاری اگر ان کو راکھ میں بدل سکتی ہے۔ ہائے بس غرور ہی غرور تھا۔ کونز اور جنگلی پھولوں کی پتیاں جا بجا بکھری پڑی تھیں۔ پر لطف پہاڑ، تتلیاں، سرد مہر پتھر و سفید بادل غرضیکہ یہاں آ جاؤ تو لگتا ہے جنت نظیر کی کچھ جھلک اللہ تعالی نے اس دھرتی کے ٹکڑے میں بکھیر دی۔

جہاں قرب و جوار میں رنگ و خوشبو بسی تھی، تو آج اس گھر کے باسیوں کے چہروں پر بھی خوشیوں کے رنگ، رنگِ دھنگ کی طرح بکھرے نظر آتے تھے۔ آج شہر سے پلوشہ کے چچا کا بیٹا ان کے ہاں گھومنے آیا تھا، ہفتہ بھر کا قیام کا ارادہ تھا، پلوشہ کے ذمہ اس کو سارے میں گھمانے کی ذمہ داری آئی تھی۔ وہ ویسے بھی اس وادی کی دیوانی تھی بے شک بچپن سے لے کر اب تک وہ زندگی کی سترہ بہار و خزاں دیکھ چکی تھی لیکن وادی سے انسیت و دلچسپی ماند نہ پڑی تھی شیری اس کے ساتھ گھومے جا رہا تھا اور حسین نظارے دیکھے جا رہا تھا۔

زرنین بی بی اور حاکم تایا کی ایک بیٹی پلوشہ اور ایک ہی بیٹا گل خان تھا، پلوشہ نے دس کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا جبکہ گل خان ساتویں کا طالب علم تھا، ان کے گھر سے سکول یہی نزدیک ہی تھا۔ وہاں مخلوط نظامِ تعلیم تھا۔ اس لئے دونوں بہن بھائی جلد ہی پہنچ جاتے۔ جہاں کے اساتذہ نہ صرف دینی و دنیاوی تعلیم سے بہرہ مند کرتے بلکہ ورزشوں کھیلوں اور آرٹ کا سبق بھی دیتے تھے۔ پلوشہ پینٹنگ کے مقابلے میں حصہ لیتی تھی۔ اور ہر بار پوزیشن پلوشہ کی بجائے کوئی اور لے جائے سوال ہی نہیں اٹھتا۔ جہاں پلوشہ تو وہاں انعامِ اول۔ پلوشہ کا نام ہی کافی تھا، مقابل خود بخود چت کر جاتے تھے، پلوشہ رنگوں پھولوں کی دیوانی تھی۔ اس کی پینٹنگ بھی زندگی کو جاوداں کرتی نظر آتی تھیں۔ جہاں اُمیدیں تھیں، اُمنگیں تھیں، خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، جب کبھی ایزل اور برش پاس ہوتے تو نقشہ سا کھینچ جاتا، اور مصور تصویر بناتا چلا جاتا، گویا ندیا سے بہتا تیز دھار پانی، جو سب بہا لے جائے، اسی طرح پینٹنگ بننے میں کچھ دیر لگتی، اور خوبصورت سانچے میں ڈھلے قدرتی مناظر ایزل پر عکس بند، اپنے حسن پر اتراتے نظر آتے، بلاشبہ وہ خوش قسمت تھے جن کو اس وادی کی ایک حسین دوشیزہ کے ہاتھوں نے جلا بخشی۔

''وہ دور دیکھو، وہ میری خالہ خالو کا گھر ہے، وہ بے اولاد ہیں مجھے ہی اپنی بیٹی سمجھتی ہیں حد سے زیادہ محبت کرتی ہیں وہ مجھ سے اور میں اماں ہی سمجھتی ہوں ۔ان کے شوہر احسن بابا یعنی میرے خالو جانی، وہ بھی بہت اچھے اور نفیس ہیں۔ ذرا اگر ان کو اطلاع بھی مل جائے کہ مجھے زکام بھی ہوا ہے تو پل کی دیر نہیں لگاتے سوحر بے آزماتے ہیں۔ ایک دفعہ امی کہتی ہیں بچپن میں جب میں سات سال کی تھی، تو مجھے سخت بخار ہوا آس پاس تو کوئی ڈاکٹر تھا نہیں، خالو نے فوراً مجھے خالہ کے ساتھ شہر لے جانے کا ارادہ کر لیا، امی ابو نے بہت کہا ٹھیک ہو جائے گی کوئی بخار اتنی بڑی بیماری ہے کیا۔۔؟ لیکن وہ مجھے شہر لے آ کے ہی ٹکے۔ اور جب تک میں ٹھیک نہ ہوئی میرے سرہانے میرے بستر کے بالکل پاس کشن نیچے رکھے بیٹھے رہے

ڈاکٹرز کی بھی نہ سنی، مجھ سے حد درجہ التفات دیکھ کر ڈاکٹرز بھی پیچھے ہٹ گئے، جہاں خالو اتنے پریشان تھے تو خالہ ہر پل سرہانے بیٹھیں نظر آتیں، جب جب آنکھ کھلتی، کبھی کہتیں کچھ کھانا ہے، طبعیت ٹھیک ہو رہی ہے یا نہیں،، بتاؤ تمہارے لئے کیا لاؤں۔ بس میں ان ہی محبتوں میں جی رہی ہوں اور میرے لئے یہ محبتیں انمول ہیں۔ میں ان محبتوں، ان اپنوں کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں، بس میں ان ہی محبتوں میں جی رہی ہوں اور میرے لئے یہ محبتیں انمول ہیں ان محبتوں، ان اپنوں کے لئے کچھ بھی کر سکتی ہوں، بس اللہ ان کو سلامت رکھے، میری تمام محبتیں ان ہی سے وابستہ ہیں"

پلوشہ کی دیوانگی دیکھتے ہوئے شیری حیران کھڑا تھا، "کیا محبت واقعی کوئی بہت گہرا جذبہ ہوتا ہے کیا۔۔؟"

"اچھا تو مجھے بھی تو ملواؤ اپنے خالہ خالو سے، تم کے حصہ کی محبت نہیں لوں گا میں،" شیری شرارت سے بولا۔

"نہیں نہیں ایسی بات نہیں، وہ تم سے بھی ایسی ہی محبت کریں گے جیسی کہ مجھ سے، آخر تم حاکم بابا کے بھتیجے ہو۔" پلوشہ لہجے میں محبت سمیٹتے ہوئے بولی۔

بڑی بڑی بازو والی فراک جو سرخ و سفید رنگوں سے مزین تھا۔ ان سبز و سیاہ پہاڑوں کے درمیان ایک گویا کھلتا گلاب لگتا تھا۔ شیری اسے دیکھے گیا۔

"اچھا پھر کب ملواؤ گی ان سے"

"دو دن بعد آئیں گے وہ۔۔ وہ اس پہاڑ کے پیچھے خالو کا بھائی رہتا ہے ان کے ہاں پوتا ہوا ہے وہیں ان کو مبارکباد دینے گئے ہیں" اس نے جنگلی گلاب کی کچھ کلیاں سمیٹیں اور بالوں میں سجائیں۔ شیری نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ویسے تم بتاؤ۔ کچھ کرتے کیوں نہیں ایاز چاچا ابو سے تمہاری شکایت ہی کرتے رہتے ہیں" پلوشہ کا رخ شیری کی طرف مڑا، وہ مسکرایا۔

"کیا کروں پڑھا ہوا ہوں نہیں۔۔ کوئی کام آتا نہیں۔۔ کیا کروں، ابا شور کرتا ہے ویسے ہی۔۔۔"

'اچھا۔۔ لیکن تم لڑکے ہو پھر بھی اب تم کمانے کی عمر میں ہو۔۔ ابھی اپنے آپ کو عادت ڈالو۔۔ پھر ہی کچھ کر پاؤ گے اور ویسے بھی چچا تو اب بوڑھے ہو گئے ہیں "پلوشہ نے نانی کا کردار ادا کیا۔

"ہوں۔۔ کروں گا کچھ۔ ضرور کروں گا لیکن نہ تو کوئی کام اچھا لگتا ہے نہ ہی کسی میں دل لگا۔۔ لیکن جب بھی کوئی بہتر کام ملا میں کر لوں گا" شیری کے لہجے میں اک لاپرواہی سی تھی۔

پلوشہ نے سر جھٹکا۔

"اچھا۔۔ تو میں بتا رہی تھی کہ میری خالہ اور خالو اس پہاڑ کے پیچھے گئے ہوئے ہیں میں بھی وہاں گئی ہوئی ہوں۔۔ اتنا پیارا گاؤں وہ ہے۔ میں تم کو بتا نہیں سکتی لیکن۔۔۔۔"

پُلوشہ کا محبت نامہ پھر شروع ہو چکا تھا۔ گھاس کی سنسناہٹ کے درمیان وہ گزرتے چلے جا رہے تھے۔ شیری نے انار دانہ ہاتھ میں لیا تھا جو ایک انار کے پھٹے ہوئے خوشے سے برآمد ہوا تھا، پھانک رہا تھا اور ساتھ ساتھ ہیر رانجھا سن رہا تھا۔

دور تلک پہاڑ اس لڑکی پر مسکرائے چلے جا رہے تھے۔ بلاشبہ وہ لڑکی ان سے سچی محبت رکھتی تھی۔ گل عباسی کے گلابی پھول لہلہاتے ہوئے گاتے نظر آتے تھے۔ اخروٹ درختوں سے تڑتڑ فرشِ زمین پر گرتے گویا اولے۔ بڑے بڑے پہاڑی امرود بارشوں کی قلت کی وجہ سے گہنا گئے تھے اور ہلکی سی ہوا بھی ان کے خاک میں مل جانے کی نوید بنتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی چڑیاں مسکراتی چہچہاتیں ایسے اِدھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھیں جیسے کوئی بڑی خوشی ملی ہو۔ بڑے بڑے چیڑ کے پیڑ جھومتے، سر دھنتے اور اناروں کے درختوں کی بہتات اپنے اندر خوشبو و ذائقہ سمیٹے، نہایت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ راستے میں پڑے پتھر سے ٹکرایا۔ ایک تو یہ پلوشہ، اسے اونچے نیچے پُرخطر راستوں اور ایسے راستوں سے، جن کے

ایک طرف بلند پُرشکوہ پہاڑ اور دوسری طرف گہری کھائی، لامتناہی فاصلے کو سمیٹے ہوئے تھی، وہ قلانچیں بھرتی جا رہی تھی اور شیری بے چارہ تو سہج سہج کر قدم اُٹھاتا اور رکھتا کہ کہیں کوئی غلط پاؤں پڑتا اور وہ کسی اندھی کھائی میں پڑا دبا ہوتا کتنے دنوں بعد اس کی لاش ملتی، شمار کرنا بھی مشکل تھا، سوچنے پر ہی جھرجھری محسوس ہوتی تھی، پلوشہ اس کو اپنی خالہ سے ملانے لے جا رہی تھی آج شیری کو آئے تیسرا دن تھا۔ دو دنوں میں خوب گھوما پھرا، خوب اخروٹ توڑے اور انار پھانکے۔ بیری کے درختوں سے بیر جو ذائقہ میں نہایت نفیس تھے، وہ توڑتا۔ پلوشہ کے لئے توڑنے کی ضرورت نہ تھی وہ یہ سب کھا کر سیر ہوئی جاتی تھی۔ بہر حال اس کی خالہ کے گھر کی طرف جاتا راستہ انتہائی مشکل تھا۔ جان جوکھوں کا کام تھا طے کرنا۔

''تم کچھ بول کیوں نہیں رہے'' پلوشہ پیچھے مڑی۔

''وہ ویسے۔۔ سن رہا ہوں ناں تم کو'' بچ بچ کر چلتا وہ بولا، کیا کہتا اور زمین سے نظریں اٹھانے پر اختیار نہ تھا۔۔ ظاہر ہے کھائیاں۔۔۔

''اچھا تو یہ دیکھنا کہ میری خالا خالو نہایت پیارے ہیں۔ ان کا گھر بھی بہت پیارا ہے اللہ اولاد بھی عطا کر دیتا تو میرے خالا خالو سدا جوان رہتے'' پلوشہ مُڑ مُڑ کے دیکھتی۔

''ویسے ایک بات کہوں۔۔ تم لوگ ان کو ساتھ رکھ لو ناں۔۔ تم لوگوں کے ساتھ رہیں گے تو ان کا خیال بھی رہے گا دوسرا آہٹ بھی ہو جائے گی۔ بوڑھے ہیں ان کا اب خیال تو رکھنا چاہیے ناں'' شیری بولا ۔ بالآخر کھائیاں ختم ہوئیں اب ہموار راستہ تھا چراہ گاہ کا۔۔۔ دور کچھ بادل منڈلاتے نظر آ رہے تھے۔ اکتوبر ختم ہوا چاہتا تھا۔ سیلن سی سیلن تھی۔ اس ماہ سے فضا میں نمی بڑھ جاتی ہے اور بارش بھی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی مری میں شدید برف باری ہونے پر یہاں بھی سارا علاقہ برف سے ڈھک جاتا تھا۔

''ہاں کہتے تو ٹھیک ہو۔ میں نے بھی امی ابو کو کہا تھا اور خالا خالو سے بھی، لیکن خالا خالو اپنا گھر نہیں چھوڑتے وہ کہتے ہیں زندگی یہاں بتائی اب کاہے کو جانا اب یہیں مرنا ہے بس۔ ہنسی خوشی سب اس گھر میں رہی۔ ہر کونا بولتا ہے کیونکہ خالو اپنے ساس سسر کو ساتھ رکھے ہوئے تھے اور ان کے والدین بھی یہیں تھے ان کے ساتھ۔۔۔ وہ سامنے دیکھ رہے ہو وہاں دفن ہیں یہ ہمارا خاندانی قبرستان ہے۔ یہاں ہی سب دفن ہیں کبھی تم کو لے کے جاؤں گی وہاں فاتحہ کے لئے اور قبریں دکھانے کے لئے۔ اب کیا کہوں وہ کہتے ہیں ہم تو چراغِ سحری ہیں کہاں رہنا کیا رہنا۔ اب تو یہیں مرنا ہے'' پلوشہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''چلو جی گھر پہنچ گیا''

''اچھا بتاؤ تمہارا رزلٹ کب آئے گا''

''رزلٹ۔۔ ارے وہ تو آ گیا اگست میں ہی آ گیا تھا۔ اب میں میٹرک پاس ہوں'' فخریہ انداز۔

''ارے واہ تو آگے داخلہ کیوں نہ لیا۔ اب تو اگست کو گزرے دو مہینے ہونے کو آئے۔۔'' استفہامیہ انداز۔

''نہیں دراصل ہمارے علاقے میں میٹرک سے اوپر کالج نہیں۔ بس یہیں تک ہے لڑکیاں تو آگے پڑھتی ہی نہیں لڑکے بس جن کو پڑھنا ہوتا ہے آگے وہ شہر یا تو کسی رشتہ دار کے پاس چلے جاتے ہیں یا ہاسٹل میں رہ کر پڑھتے ہیں۔ میں کہاں جاؤں۔۔ ویسے بھی امی ابو، خالا خالو کو چھوڑ کر۔۔ بس اسی لئے چھوڑ دیا بس۔ گل خان کو پڑھاؤں گی کہتا ہے ڈاکٹر بنوں گا۔ خالا خالو کا علاج کروں گا جب وہ بوڑھے ہو جائیں گے وہ بھی مفت۔'' پلوشہ ہاتھ جھاڑتی آگے بڑھی ''چلو گھر آ گیا خالا خالو کو ملتے ہیں'' شیری نے بھی قدم بڑھائے۔

''ستے خیراں، ستے خیراں۔۔ اساں دی دھی آئی نیں۔۔ ناں پلوسہ دے خالو میں کا۔ پلوسہ آئی ۔ ایں نال مُنڈا امینوں نومی دا پتر لگدا نیں۔ بسم اللہ پتر آ تہاڈے آندے نال برکت آندھی اساں دے کر (خیر ہو، میری بیٹی آئی پلوشہ کے خالو میں نے کہا پلوشہ آئی ہے، یہ کولڑ کا تمہارے ساتھ آیا ہے مجھے لگتا ہے نومی کا بیٹا ہے۔ بسم اللہ تمہارے آنے سے ہمارے گھر برکت آئے گی) خالہ آگے بڑھیں پلوشہ کو خوب

چُو ما جیسے حج کرکے لوٹی ہو۔۔پھر شیری کی طرف بڑھیں خوب محبت سے دلا سا دیا اور پرسانِ حال بیان کیا۔

''جی خالا یہ نعمان چاچا کا ہی بیٹا ہے آپ سہی پہچانیں۔اچھا کیا کررہے ہیں خالا کہاں ہیں۔''

''ارے دھی۔انار دانہ نکالدے پے آس و یلے نار پکدے نیں لوک اے کم کردے نیں۔او پچھوارے نیں۔میں پچھیا پُتر کی حال نیں۔نومی ٹھیک نیں باقی بڑا خیر نال اے ناں (ارے بیٹی انار دانے نکالنے کا وقت ہے سارے لوگ یہی کام کرتے ہیں گھر کے پیچھے ہیں وہ میں نے پوچھا گھر میں سب ٹھیک ہیں نومی ،تمہارے بھائی)'' خالا نے پہلے پلوشہ کو بتایا پھر شیری کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''جی وہ ٹھیک ہیں سب بھائی بھی ٹھیک ہیں'' شیری پڑھا لکھا تو نہ تھا لیکن شہر میں رہنے کی وجہ سے اردو اچھی آتی تھی یہ زبان سمجھنے میں مشکل پیش آرہی تھی شاید پوٹھوہاری تھی یا پہاڑی۔

''اجے پتر آجا بیٹھ جا خیر نال'' گل بی بی نے اپنے چادر کے پلو سے کرسی کو جھاڑتے ہوئے کہا جو ایک پُرانے طرز تھی۔

''شکریہ '' کہتے ہوئے شیری کرسی پر براجمان ہوا صحن میں ایک مرغی تھی جو ننھے منھے سے چھ،سات چوزے لئے دندناتے ہوئے پھر رہی تھی۔گلِ نین بی نے اس کے سامنے چارپائی گھسیٹی۔

''رک پتر تیرے واسطے ٹھنڈا گرم لان جوگا'' گلِ نین بی اس کی بات سنے بغیر آگے بڑھ گئیں۔

وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔پلوشہ کا گھر قدرے کھائی میں تھا جبکہ اس کی خالا کا گھر پہاڑ کے وسط میں۔ان دونوں گھروں میں قریباََ پانچ کلومیٹر کا فاصلہ تھا۔لیکن دشوار گزار ہونے کی وجہ سے دس سے بھی زیادہ کا لگتا تھا۔کم ازکم شیری کو۔پہلے کبھی وہ پہاڑی علاقے میں نہ گیا تھا صرف ایک بار جب گاؤں کے سکول میں پانچویں کلاس کی ٹرپ تھی تو اس نے بھی ضد کی تھی اور پھر اس کی اماں نے سکول والوں سے التجا کی یہ کہ بچے کم تھے اسے بھی گاڑی میں لے گئے زندگی میں ایک بار صرف وہ مری گیا تھا بس وہ بھی صحیح یاد نہیں کہ وہاں کیا دیکھا تھا اس کی اماں،جب وہ دس سال کا تھا،تو وفات پا گئی تھیں۔

اِدھر اُدھر کے نظارے دل کو بھلے لگتے تھے مسکراتے پہاڑ اور دندناتے پرندے،دور افق پر بادل گھیرا ڈال رہے تھے لگتا تھا ان کا برسنے کا بھی جلد ارادہ ہے گلِ نین بی کے گھر لوکاٹ،آم،اخروٹ، جنگلی ٹماٹر،کدو،بجوہ کے پودے تھے۔،جو سامنے نظر آرہے تھے نیچے کی جانب کھیت تھے اور مکئی کے گُٹھے جگہ جگہ لگائے پڑے تھے گویا کچھ دن پہلے ہی مکئی کی کٹائی کی گئی تھی۔صحن میں ایک طرف جڑی سی بڑی چادر پر مکئی کی چھلیاں پڑی تھیں اور ان سے کچھ فاصلے پر ۵،۴ بوریوں پر انار دانہ سکھانے کے لئے۔ مرغی اپنے بچوں کو دانا دنکا کھلا رہی تھی ،ابھی دور سے اسے احسن بابا اور پلوشہ آتے دکھائی دے رہے تھے احسن بابا کے ہاتھوں میں ایک بڑی بالٹی نظر آرہی تھی ،جو اخروٹوں سے بھری تھی ،پلوشہ نے ضد کی اُٹھانے کی لئے لیکن احسن بابا نے منع کردیا۔احسن بابا نے صحن کے ایک طرف بالٹی رکھی اور مسکراتے ہوئے شیری کی طرف بڑھے۔

''جی آیاں نوں۔۔۔بسم اللہ پُتر اساں دے کرتے کسے اپنے نوں تکنے نوں ترسدے نیں۔۔ شیر جاندا نیں ہوندا بس پاڑاں وچ ہی وس گے آں۔۔تو سنا پُتر کروچ خیرای ناں (ہمارے گھر اپنوں کو دیکھنے کے لئے ترستے رہتے ہیں،ہم کو تو شہر میں کم ہی کوئی کام پڑتا ہے،بس پہاڑوں کے ہی ہوکے رہ گئے ہیں،تم سناؤ گھر میں خیریت ہے ناں بیٹا،''شیری کو گلے لگاتے ہوئے احسن بابا نے اپنی مجبوری اور ساتھ ساتھ اس کا حال بھی پوچھ لیا۔

''اللہ کا شکر،سب ٹھیک ہیں آپ سناؤ کیسے ہو۔۔''احسن بابا چارپائی پر براجمان ہوئے ساتھ ہی مسکراتی پلوشہ بھی۔جو ہاتھ میں اخروٹ کئے ہوئے تھی اس نے اخروٹ سے سبز کوٹ اُتارا اور شیری کی طرف بڑھایا''یہ لو۔۔''شیری نے اس کو ہاتھ میں لئے پلوشہ کی طرف دیکھا'دانتوں سے توڑ لو۔ ویسے کچھ اخروٹ ابھی پکے نہیں۔۔جن کے کوٹ کالے ہو جاتے ہیں وہ پکے ہوتے ہیں'پلوشہ نے بتایا'

'دانتوں سے'' شیری زیر لب بولا اتنی دیر میں پلوشہ دانتوں سے اخروٹ توڑ کر اس میں سے مغز نکال کر کھا رہی تھی۔ اسی پل گلِ نین بی اس کے لئے شربت لے آئیں، میز سامنے رکھا اور اس پر رکھے لوازمات شیری کے آگے کئے انار رکھا ہوا، پکوڑے، کھیر، سموسہ اور مٹھائی شامل تھی۔ اخروٹ میز پر۔

''آپ نے بلا وجہ تکلف کیا'' شیری کو اتنا سب دیکھ کر شرمندگی ہوئی۔

''پتر تو کھا اساں ول اے چیز اں ای یاں، نالے مین پلوسہ نیں دسیا، تینوں وی ساتھ لاندی پئی، بس اساں تہاڈی اے ہی خاطر کیتی نیں بارہ وجے ناں کھانا تو ادھر ہی کھا ٹوں کدرے ادر آندے ایں۔۔'' (تم کھاؤ بیٹا ہماری طرف یہ چیزیں بہت ہیں، اور پلوشہ نے ہم کو نہیں بتایا کہ وہ تم کو بھی ساتھ لا رہی ہے، اسی لئے بس فوری یہی چیزیں تیار ہو سکیں تم لنچ اِدھر ہی کرو، تم کہاں ہمارے گھر آئے ہو کبھی۔۔۔) گلِ نین بی نہال ہو رہی تھیں احسن بابا بھی بڑے خوش تھے۔

''ہاں ناں پتر توں ادھری ہی رک اساں تہاڈے واسطے کھارا اونا سا، خوسی ہوسی اساں نوں'' (ہاں ناں، پتر تم ادھر ہی رکو ہم تمہارے لئے کھانا بنائیں گے، ہم کو خوشی ہوگی)

''نہیں نہیں شکریہ آپکا آپ نے اِتنا اہتمام کر دیا'' وہ ان کا شکر گزار تھا۔ وہ بچپن میں ایک ہی بار ادھر آیا تھا لیکن وہ بہت چھوٹا تھا شاید پانچ چھ سال کا۔۔ احسن بابا اور گلِ نین بی اس کے ذہن میں نہ تھیں، وہ سموسہ ٹونگ رہا تھا،

''ویسے خالہ آپ نے یہ چیزیں کہاں سے لائیں یہ سموسہ مٹھائی وغیرہ،'' پلوشہ نے کھیر کی ایک طشتری بھری اور اس میں دو گلاب جامن ڈالے اور مسلنے لگی۔

''بٹیا ادھری سے تہاڈے خالو دے بھرا دے کر، جیڑا پوترا ہو یا سی ناں ادھری اے آیا مٹھائی تے سموسہ مینوں پکراندے اُنوں اور وی اندر پے نیں'' (بیٹا یہ ادھر تمہارے خالو کے بھائی کے گھر سے، ان کا پوتا ہوا ہے ناں انہوں نے ہی یہ سموسہ مٹھائی پکڑا دی، اور بھی ہے اندر) گلِ نین نے جواب دیا۔

''خالہ ہم کھانے کے ٹائم تو یہاں نہیں رک سکتے دراصل میں نے شیری کو ایک اور جگہ بھی لے کر جانا ہے اگر پھر موقع ملا تو ضرور لاؤں گی میں نے کہا خالہ سے ملاقات کرا لاؤں پھر بتاؤ شیری کیسے ہیں میرے خالہ خالو۔۔'' پلوشہ نے سوالیہ انداز میں شیری سے پوچھا جو مٹھائی پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔

''ہاں بہت اچھے بالکل پتہ نہیں چلا کہ میں یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ اتنی اپنائیت محسوس ہوئی یہاں آ کر۔ آپ پلوشہ کے خالا خالو ہیں تو میرے بھی ہوئے، میں آپکو کہتا ہوں کہ آپ بھی ہمارے گھر ضرور آیئے گا''

''او پتر کوسس کرساں۔ اساں بڈیاں اڈیاں ہُن پھرن تھرن مسکل نی اساں واسطے، فر وی اللہ حیاتی کیتی تے تکساں۔ آساں نومی بھرا نال ملن واسطے۔ اساں دا سلام چاہیندا اُس نوں۔۔'' (بیٹا کوشش کریں گے اب بوڑھے ہو گئے ہیں چلنا پھرنا مشکل ہو گیا ہے اللہ نے زندگی دی تو ضرور آئیں گے، نومی کو ہمارا سلام دے دینا)۔ احسن بابا نے مسکراتے ہوئے شیری کو کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں ضرور وعلیکم السلام اچھا، پلوشہ اٹھو۔ چلتے ہیں'' اس نے یکبارگی کرسی پر پیچھے کی طرف جھٹکا مارا جس کی وجہ سے کرسی لڑھکی، اور توازن برقرار نہ رکھنے پر پیچھے جا گری ''چیں چیں، کڑک'' کی آواز آئی ''اوہ'' احسن بابا، پلوشہ اور گلِ نین بی اس کی طرف لپکے۔ مُرغی پاس کھڑی غصہ نکال رہی تھی احسن بابا اور گلِ نین بی نے پکڑ کر شیری کو اُٹھایا جو کرسی سمیت زمین پر جا گرا تھا

''اوہ سوری'' وہ اُٹھا

''لگی تو نہیں تم کو'' پلوشہ نے کرسی سیدھی کی تو کرسی کے نیچے تین چوزے مرے پڑے تھے جن کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں تھیں اور خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے وہ یہ منظر دیکھ کر سخت شرمندہ ہوا۔

''اوہ۔۔ سوری۔۔ نہیں، یہ تو بہت بُرا ہوا۔'' وہ شرمندگی سے سرخ ہوا جا رہا تھا۔

''کوئی لور نیں پتر۔۔ کج وی نیں ہویا بس ٹیم ورا ور آ گیا سی انہیں دا تو پریسان نہ ہو۔۔ کوئی گل

نیں پُتر۔۔'' احسن بابا اس کی خفت مٹا رہے تھے گلِ نین بی بھی شیری کو تسلی دے رہی تھیں کہ کوئی بات نہیں۔ پلوشہ بھی دکھی ہوئی چوزوں کے مرنے پر گلِ نین بی نے چوزے پاؤں سے پکڑ کر اُٹھائے اور صحن سے نیچے کی طرف پھینک دیئے مُرغی شور کرتی آگے جا چکی تھی تین چوزے لگائے۔

''ہنے کوئی با گڑ بلا آیا نیں تے آپیں کھا جائے گا۔۔توں پریسان نہ ہو پُتر۔۔'' گلِ نین بی شیری کو شرمندگی سے بچا رہی تھیں، صحن میں چوزوں کا خون لگا ہوا تھا۔

''اچھا بابا ہم اب چلتے ہیں، اپنا خیال رکھنا، کوئی شے ضرورت ہوئی تو کہنا لا دوں گی، خود نہ جانا دُکان پر، اتنے دُور چلے جاتے ہو'' پلوشہ بولی۔

''ٹھیک نیں پُتر۔۔تینوں کہ دیواں گے، تو سکھی رہ، چل پُتر تو فر آنا۔۔پلوسہ اسے ضرور لانا۔۔ جاں رکولوں پہلے مل جانیا۔۔'' (ٹھیک ہے بیٹا۔۔تم کو بتا دیں گے، تم خوش رہو۔۔بیٹا۔ تم پھر آنا۔ پلوشہ اس کو ساتھ لانا دوبارہ۔۔ جانے سے پہلے بیٹا مل کے جانا)۔ احسن بابا نے کہا اور شیری کو گلے لگایا، گلِنین بی نے دِلاسا دیا اور دُور سیڑھیوں سے اُوپر پتھروں سے پرے تک ان دونوں کو جاتے دیکھتے رہے

''مجھے شرمندگی ہوئی جو سب ہوا اس پر'' شیری سخت خفت کا شکار تھا شرمندگی تھی کہ مٹائے نہ مٹ رہی تھی۔

''چھوڑو اب کیا ہو سکتا ہے۔ یہ چوزے مجھے بھی جان سے عزیز تھے، ایک ماہ کے ہوئے تھے یہ، چلو اب کیا ہو سکتا ہے، تم نے جان بوجھ کر تو نہیں کیا ناں'' پلوشہ اسے سمجھا رہی تھی۔

دونوں باتیں کرتے آگے نکل گئے تھے جنگل میں ویرانی اُتر رہی تھی پرندے گھروں کی طرف لوٹ رہے تھے سیلن ذدہ دھوپ کم ہوتی گئی اور اُفق کا رنگ سیاہ ہوا اور پھر چاندنی چھا گئی۔

☆☆☆

تاریک رات میں لائق بصارت کچھ نہ تھا سب اندھیارے میں چھپا گویا کسی بنگلے میں راز، کسی سیپ میں موتی۔ بھاگتے رہنے سے اس کے پاؤں اینٹھ گئے تھے لیکن اب اگر اس نے ہمت کر لی تھی تو اپنے آپ کو کسی محفوظ جگہ اس جگہ سے دور لے جانا بہر کیف ضروری تھا۔ گیدڑ کے بولنے میں کوئی راز تھا تو کہیں پاؤں کی دھمک میں، ناقدری جہاں بھی ہو وہاں رہنا فضول ہے وہ منحوس تھی جیسی کہ اس کی ماں تھی ویسی ہی یہ ہے۔

''میں تم کو کہتی ہوں لڑکی ذات ہے نظر رکھا کرو، کیا اعتبار کل کلاں آنکھوں میں ڈھول ہو اور یہ سات سمندر پار۔۔اس کی ماں کے لچھن نہ دیکھے تم نے۔۔ پتہ نہیں رحیم بخش کب عقل آئے گی تمہیں'' پھوپھی، باپ کا دل جو تھوڑا بہت بیٹی کی طرف مبذول ہوتا بھی تو اس کی ماں کی کارستانی نظروں کے سامنے لا کر اس کو سو میل دور پٹخ دیتی تھی۔

''اماں تو کیا ہوا بیٹی تو یہ میری ہی ہے'' باپ صفائیاں دیتا اپنے خون کی۔

''یہی تو کہتی ہوں خون تیرا ہے لیکن دودھ اسی بدذات کا پیا ہے اس نے۔ مجھے تو تیرے خون کی کی کوئی رمق نظر نہیں آتی'' پھوپھو درندگی کی حد سے بھی آگے نکل جاتیں۔

''ارے چھوڑ اماں!'' اس کا باپ اپنی بہن کو اماں کہہ کے پکارتا تھا۔ کیوں کہ وہ نو سال کا تھا جب باپ ماں فوت ہو گئے تھے تو اس سترہ سال بہن نے ہی سکول چھوڑ کر گھر گھر سلائی کر کے اپنا اور بھائی کا پیٹ پالا اس کو کھلایا، پلایا، بڑی بہن ماں جائی ہی تھی۔

جوں جوں رشتوں کی بے مروتی اسے رُلا رہی تھی وہ اور تیزی سے بھاگ رہی تھی چپل کے نیچے کئی بار کنکر آنے پر پاؤں ڈگمگاتے، چپلوں میں گھُسنے پر تکلیف کا باعث بنتے، لیکن خون کے رشتوں کی زلالت سے ذیادہ سخت نہ تھے، انسان سب برداشت کر لیتا ہے، لیکن اگر اسے بے عزت ہی کر دیا جائے تو دُنیا کی کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی۔۔وہ بھی ایسے ہی دل شکن مراحل سے گزری تھی اور جہاں اُمیدیں تہس نہس ہوئی تھیں، توقعات مسمار ہوئی تھیں جو تھوڑی بہت پردہ داری تھی حوصلے جن کے دم سے اپنے

کچے پاؤں پر کھڑے تھے وہ بھی ریت کے گھروندے کی طرح زمین سے مل گئے۔

''اس کا نکاح کل ہی ارشاد کے ساتھ طے ہے زبیدہ اسے تیار کر دینا، نکاح کے ساتھ رخصتی بھی ہے میں کوئی اعتراض نہ سنوں''

غصے کے جھکڑوں نے اس کے تن کو جھلسا دیا تھا تیز ہوا کے جھونکے تھپڑوں کی مانند تھے۔

''آہا۔۔بسم اللہ۔میرے بھائی۔۔یہ کیا ناں مردوں والا کام۔شکر میرے بھائی کو عقل آئی تو فکر نہ کر بھائی سب تیری منشاء پہ ہوگا۔میں جانوں میرا کام، تو دھیرج رکھ۔۔آخر کو میری بنورانی میری بھی تو کچھ لگتی ہے ناں۔۔'' زبیدہ بھی گویا کسی موقع کی تلاش میں تھی۔اسے کیا پتہ جب کسی پر بھروسہ، مان، اعتبار اور خلوص صف کسی ایک کو ہی دان کیا جائے تو آس پاس صرف وہی دِکھتا ہے جو یہی نہیں تو کسی چیز کی پرواہ نہیں۔

☆☆☆

سردی یک دم ہی بڑھ گئی تھی سرد مہر رشتوں کی طرح، کتنا اچھا ہوتا ہے کہ رشتے خلوص سے بے شک پاک ہو جائیں لیکن پھر بھی ایک بھرم رہے اور جب کبھی اس بھرم کو بھی ریت کے ٹیلے کی طرح ڈھا دیا جائے تو تمام راہیں ڈر، ناکامی و مایوسی کی طرف ہی اٹھتی ہیں وہ کپڑوں کا گٹھڑ اُٹھائے آگے بڑھتی گئی، چلتی گئی، بھاگتی گئی۔

''کب آئے گا وہ'' انگلیاں مڑورتی، پیڑوں پر اٹھلاتی، مقرر جگہ پر آن پہنچی، گٹھڑ پھینکی۔

رات کے بارہ بج گئے، آدھا ادھورا چاند پھر ڈھلنے کو بے قرار کھڑا تھا۔ بے تابی و خوف اس لڑکی کے چہرے پر جو نظر ڈالو تو صاف عیاں نظر آتا تھا، دور گاڑی کی فلیشنگ لگنے پر دل یک دم بہت زور سے دھڑکا، خوف نڈر پن میں بدلا اور گٹھڑ اُٹھاتی، قدموں میں عزم لئے دیوار سے ہٹ کر سامنے آ کھڑی ہوئی۔

بالآخر گھٹن زندگی کا اختتام ہوا چاہتا تھا۔

''روکو۔۔روکو۔۔میں یہاں کھڑی ہوں۔۔'' وہ چلائی، ہاتھ لہرایا۔ گٹھڑ ہوا کو کاٹتا ہوا گاڑی کے انجن سے چند سینٹی میٹر دور ہوا سے لہرا کے نیچے گرا۔

''یہ کون ہے۔۔۔'' لڑکا متوحش تھا، گاڑی روکی۔ شیشہ نیچے کیا اور سوالیہ نظروں سے سڑک کی طرف دیکھا اسے آج آفس میں کام کرتے ہوئے دیر ہو گئی تھی ان کی کمپنی آج کل دوڑ رہی تھی،

''کتنی دیر ہو گئی میں تمہارا انتظار کر رہی تھی کہاں تھے اَب تک یہ نہ ہو، امّی ابو کو پتہ چل گیا ہو کہ میں تمہارے ساتھ بھاگ گئی ہوں چلو گاڑی تو چلاؤ، کیا میرا منہ دیکھ رہے ہو، تم نے تو کہا تھا کہ ساڑھے دس بجے پہنچ جانا میں سوا دس بجے کی یہاں کھڑی ہوں'' گاڑی کا دروازہ کھینچ کر کھولتے ہوئے اس نے گٹھڑ پچھلی سیٹ پر پھینکا اور برابر بولے چلی گئی۔

اے محترمہ۔۔کون ہو آپ۔۔میں جانتا ہی نہیں آپ کو اور آپ۔۔'' اس نے لڑکی کی ہٹ دھرمی پر حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب۔۔۔تم یاسر نہیں۔۔'' اب کے حیران ہونے کی باری لڑکی کی تھی اور پریشان بھی۔

''نہیں محترمہ میں دائم ہوں۔۔دایونیک ٹیکسٹائل کے مالک کا بیٹا ۔۔آپ کیا سمجھیں۔۔؟''

اس نے وضاحت کی لڑکی کے اوسان خطا ہوئے فوراً گٹھڑ تھاما اور دروازہ کھول کے باہر نکل گئی

''اوہ۔۔سنیں تو۔۔آپ رات کے بارہ بجے ادھر کس کا انتظار کر رہی تھیں۔اب وہ نہیں آنے والا آپ نے بھی اسے نہ دیکھا نہ بھالا اور اس کی باتوں پر یقین کر لیا۔۔'' اس لڑکی کی باتوں سے اتنا تو اندازا ہو رہا تھا کہ وہ بھی شاید یا فیس بک یا ٹیلی فون کے رابطے تک ہی محدود رہی ورنہ وہ اس کے ساتھ اس طرح گفتگو نہ کرتی۔

''نہیں شکریہ آپ جائیں۔۔'' وہ پریشان تھی اب کیا ہوگا وہ تو صدا کی بے وقوف نکلی پوری زندگی

کوئی مخلص نہ ملا اب اس لڑکے کو انجانے میں یا سر سمجھ کر اور بڑی غلطی کر بیٹھی۔ نہ اِدھر کہ رہی نہ اُدھر کی۔

۔۔"کوئی بات نہیں نادانی میں آپ نے یہ قدم اُٹھایا، چلیں میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں۔ یقیناً آپ کے گھر والوں کو اس بات کا پتہ ابھی نہیں چلا ہو گا اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو میں ان کو سمجھاؤں گا۔۔ وہ آپ کو معاف کر دیں گے۔ والدین کے دل بڑے ہوتے ہیں۔" وہ سوچتی دور ہٹی۔ لڑکا گاڑی سے باہر آیا۔ آنسو بتیوں کے کٹوروں سے ایسے پھسل رہے تھے جیسے آبشار میں پانی۔ یہ آنسو آج اسے داغدار کر گئے تھے۔۔ بے حیثیتی کیا ہوتی ہے آج اس نے پا لیا تھا، بہت اچھی طرح اس نے اس دن اپنے آپ کو حقیقتاً سڑک پر پڑے پایا تھا۔

"کیا ہوا نہیں چلنا کیا۔۔؟" وہ سوال پر تھا اس سے کوئی جواب نہ بن پایا۔ "چلیں آپ اگر بُرا نہ مانیں تو میرے ساتھ چلیں" لڑکی نے گھور کر دیکھا آنسو گالوں سے پھسلتے جا رہے تھے چاندنی اس چاند چہرے سے مات کھا رہی تھی یہ گویا زمین کا چاند تھا" پھر جو آپ چاہیں۔ بے شک کہیں جانا ہو، میں صبح آپ کو چھوڑ آؤں گا۔ مجھ پر بھروسہ کریں" یقین تھا بے شک اس لڑکے کے لہجے میں سچائی جھلکتی تھی۔

"آئیں۔۔" لڑکے نے کہا اور وہ اس کے ساتھ بڑھی اس بار گٹھڑ لڑکے نے پکڑا اور اس یقین کے ساتھ اس کو پکڑا دیا، ہو سکتا ہے دُنیا اچھے لوگوں پر بھی مشتمل ہو۔۔ سوچ میں غلطاں دوبارہ گاڑی میں بیٹھتے وہ اب تک بے چین تھی۔۔ یقین کو اب مشکل سے ہی ہونا تھا۔

دائم نے گاڑی آگے بڑھائی راستے میں اس نے لڑکی سے اس کے بھاگنے کی وجوہات پوچھیں، اس نے سب سچ سچ دائم کو بتا دیا کہ کیسے اس کے سگے رشتوں نے اسے اپنانے سے انکار کر دیا تھا دو کوڑی کا کیا تھا محبت نہ سہی مروت بھی نہ تھی۔

"اُف۔۔" آپ کی سچائی سن کر سخت دکھ ہوا۔

"آپ کے گھر والے آپ کو ڈانٹیں گے نہیں کہ مجھے کہاں سے لے آئے ہیں۔۔" اس کے بات پر دائم مسکرایا۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔ ویسے اگر میں آپ کو آفر کروں کہ آپ ہمارے گھر رہنا شروع کر دیں تو کوئی بات نہیں۔ ویل کم۔ اگر آپ یہ کہتی ہیں کہ آپ کے والد اور پھوپھو سے مل کر اُن کو میں سمجھا بھی سکتا ہوں۔۔ جب آپ چاہیں لڑکی نے مشکور نظروں سے دائم کی طرف دیکھا اور ساتھ ہی بہت شکریہ کہا۔ گاڑی منزل کی طرف رواں تھی۔

اب اس سفر کا اختتام ہوا کیا ہونا تھا۔۔ اس سے ہم بے خبر ہیں۔

☆☆☆

قصرِ ایاز میں روشنیاں تھیں رنگ تھے، غرض دُنیا کی ہر آلائش و آرائش یہاں دِکھائی دیتی ہے۔ سیالکوٹ میں فار ایور کلاتھنگ کمپنی کے چیئر پرسن تھے۔ ان کے پاس کتنا مال تھا کن بینک اکاؤنٹس میں کتنے پیسے تھے اُن کو خود معلوم نہ تھا پیسوں کی آمد و رفت ایسے جیسے بارش کے برستے قطرے۔ فقط ان کی جرابیں امپورٹڈ تھیں تو باقی چیزوں کا آپ خود سوچ لیں مہنگے سے مہنگا موبائل اُن کے فنگر ٹپس پر تھا تو بی ایم ڈبلیو پاؤں کے نیچے لاکھوں کا ہن برستا تھا ہر روز ان پر۔ منسٹرز سے تعلقات تھے اور وزیرِ اعظم تک رسائی تھی ایک دنیا اک ان کے اشارے پر چلتی تھی، بیوی دوسرے بیٹے کی پیدائش کے بعد وفات پا گئی تھیں، اب اس سب کے کرتا دھرتا ان کے دونوں بیٹے، دائم اور صائم تھے۔ دائم بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کر رہا تھا ایک یونی ورسٹی سے۔ اور صائم آج کل اپنی یونی میں لطف اٹھا رہا تھا۔ ہر لڑکی کے ساتھ فلرٹ اور جھوٹے قصے گڑ کر اس کو سنانا، اور لمبی ہانکنا اس کی پہلی مجبوری تھی۔ پڑھنے سے خاص شغف نہ تھا لیکن یونی کے ریکٹر اس کے پاپا کے دوست تھے، سو پاس ہونا کیا مشکل تھا۔

یہ زندگی ان کی برسوں کی محنت تھی کالج کے زمانے میں فارینہ سے دوستی ہوئی اکلوتی تھی ہنسٹر کی بیٹی تھی سو سب ایاز خان کا ہوا دوسرے فارینہ کے پاپا اکلوتے تھے تو جو بھی ان کے دادا، دادی کی طرف

سے وراثت تھی سب کے مالک ایاز خان ٹھہرے اس کو برسوں کی محنت کہا جاسکتا ہے۔ شراب، کباب و حباب سب جائز تھے۔

دائم، صائم اور ایاز خان کی نسبت مختلف ذہنیت کا مالک تھا وہ بزرگوں کا ادب اور غریبوں کی مدد کرنے سے ہاتھ نہ کھینچتا تھا اور نہ ایسا کرانے سے اسے ایاز خان روکتے تھے، پتہ تھا بہر حال دائم ان ہی کا بیٹا تھا ساری شہرت ایاز خان کے حق میں جاتی اور مزید فیم ان کا مقدر بنتا۔ ایاز خان ہمیشہ یہی کہتے تھے کی اِن غریب لوگوں سے دور رہا جائے جس حد تک ممکن ہو کیونکہ یہ ناگ کی طرح ہوتے ہیں بے شک سالوں دودھ پلاؤ، اپنے نہیں بنیں گے، ڈسیں گے ضرور۔ تاہم دائم ان کی ہر بات پسِ پشت ڈال دیتا، اور وہی حرکات۔ صائم باپ کے
نقشِ قدم پر تھا غریب لوگوں سے بات کرنا تو در کنار، اُن کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر ایسے ایسے ہیجان آجاتا جیسے نیلا تھوتھا نگل لیا ہو۔ ہاں اگر اگلا حسن رکھتا ہو تو اس کو خراجِ تحسین پہنچانا تو حق بنتا تھا ناں صائم کا۔ امیر ہونے کی وجہ سے دائم پر بہت جال پھینکے جاتے لیکن دل کسی طور کسی کی جانب مبذول نہ ہوتا دل میں کوئی اتنی پزیرائی حاصل ہی نہ کرسکا۔

بینش آنٹی کی بیٹی، علیشبہ عجب چیکو سی تھی جہاں دائم کو دیکھتی، دل قدموں میں بچھا دیتی جو حقیقتاً دائم روندتا چلا جاتا۔ علیشبہ کو یقین تھا کہ کسی دن ضرور دائم اس کی طرف پلٹے گا اور اس کی دل کی کرچیوں کو سمیٹ لے گا۔ ایاز خان دائم کو سمجھاتے علیشبہ کے لئے مان جائے لیکن ابھی اس نے شادی کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا کہ وہ ابھی اسٹیبلش ہونا چاہتا تھا پھر۔۔ اور ایاز خان کہتے کہ بیٹا یہ سب تم لوگوں کا ہے اور کس کا ہے تم دونوں نے ہی سنبھالنا ہے سب تم دونوں کی ملکیت ہے پھر اسٹیبلش ہونے سے مُراد۔ لیکن دائم بھی تو دائم تھا۔

آج جب دائم گھر آیا تو رات کے پونے ایک کے قریب کا وقت تھا۔ گھر میں سناٹا تھا صرف سیکیورٹی گارڈ ہی جاگ رہے تھے۔ دائم نے ہارن دیا، گیٹ کھلا، گاڑی اندر لائی، ایشا بھی ساتھ ہی اُتری، اپنی گٹھڑ اُٹھائی۔ ملازم لڑکی کو دیکھ رہے تھے کہ یہ کون ہے جو رات کے اس وقت دائم صاحب کے ساتھ آئی ہے۔ کیونکہ دائم اور کسی لڑکی کو لفٹ کرائے، مشرق مغرب مل جانے والی بات تھی۔

''نہیں اسے رہنے دو۔ کسی کو کہوں گا گاڑی سے نکال کر تمہارے کمرے میں پہنچا دے گا'' دائم نے کہا اور ساتھ ہی گاڑی کے آٹو میٹک ڈور بند کئے۔ اُسے اپنا گھر یاد آیا دو کمرے اور ایک کچن تھا اور واش روم۔ جس میں سے ایک کمرے میں ابو اور دوسرے کمرے میں وہ خود سوتی۔ کوئی مہمان آجاتا تو لڑکا ابو کے کمرے میں اور لڑکی ایشاء کے کمرے میں۔ اگر کبھی کیا ہر بار جب پھپھو آتیں تو رات بھر اس کا دماغ کھا جاتیں، کبھی اس کی ماں۔۔ ایسی تھی، ویسی تھی تم میں پھر بھی بہتری نظر آتی ہے ارے میرے بھائی کا خون جو ہو۔ وہ تو کوئی بدنسل تھی پتہ نہیں میرے بھائی کو کب عقل پہ کالک آئی کہ بیاہ لایا تھا۔ ہڈ حرام۔ کوئی کام نہ ہوتا جب کہو کہتی، میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔ تو بی بی جب میرے بھائی سے بیاہ رچانے جا رہی تھیں تو پتہ نہ تھا کہ اس کا گھر پونچا بھی کرنا ہے، اتنے پیسے نہیں اس کے پاس کہ تمہارے لئے نوکر رکھ لے۔ شادی سے پہلے سارے کام اس کے، میں خود کرتی تھی اب اپنے گھر کی ہوں، یہاں تم کو کام کر کے دے کے جاؤں گی۔ پر نہ جی بھائی بڑا ہی تنگ تھا میں نے کہا، جان چھڑاؤ اس بلا سے، ویسے ہی گلے پڑی ہوئی ہے اور پھر میری بھی جان چھوٹی۔ پتہ نہیں کس بے غیرت خاندان کی تھی عقل نام کی کوئی چیز نہ تھی اس کے پاس۔ بس مٹکا بھرتے جاؤ اور سو جاؤ۔ گندو ہیں کا وہیں۔ تھی تو وہ بھی گند ہی، کون سا پارسا تھی۔ اگر کسی خاندان کی ہوتی تو اس کا پیچھا کیا جاتا اور ملنے پر غیرت کے نام پر قتل ہو جاتی یا پھر صلح صفائی سے، خوب دھوم دھام سے، یوں چھپ چھپاتے نہیں۔ پر خیر اب کیا ہو سکتا ہے۔ میرے بھائی کی مت ماری گئی تھی۔ پتہ نہیں کیا کرایا تھا اس نے میرے لاڈلے بھائی پر۔ طلاق تو نہ دی لیکن پھر بھی اس نے اپنی اوقات تو دِکھا دی جب بندہ کوڑا سر پر اُٹھاتا ہے تو اس لئے کہ اس کو کسی گندی جگہ پھینک دے گا،

جہاں سے خاکروب اسے لے جائیں۔ساری زندگی کا گند میرے بھائی کے حصے میں آیا۔ بھلا کیسے بد بو نہ پھیلتی میں تو سو باتوں کی ایک بات ہی کہتی ہوں عورت نسلی ہونہ چاہئے بدنسل ہوتو اگلی نسل بھی بدنسل ہی ہوتی ہے،توپ کا رُخ اس کی طرف ہوجاتا۔وہ بے چاری سوتے سوتے گڑبڑاتی۔۔''ارے سنوتو۔۔ اپنی ماں کے کارنامے۔۔تم سن کرتھک گئیں،ہم نے تو اس کو سات سال جھیلا تھا۔۔بھئی ایسی ہمت بھی نہیں
ہوتی ہرایک میں جیسی ہم میں ہے'' کی رٹ ہر دو جملوں کے بعداس کو جگانے کے لئے کافی ہوتی۔ پتہ نہیں رات کا کون سا پہر ہوتا کہ پھوپھو کو نیند آتی اوراس کی جان چھوٹتی۔

بہر حال دائم لوگوں کا گھر دیکھنے میں کافی بڑی حویلی لگتی تھی لہذا اس کے لئے ایک علیحدہ کمرہ ہی ہو گا۔اس نے سوچا اندر سے کہیں گنا زیادہ خوبصورت۔دوتین منزلہ تو یقیناً تھی ایشاء کے ذہن میں خیال آیا اوراپنی بےوقعتی پر جی بھر کر کلسی کاش وہ بھی اسی طرح کے کسی امیر گھرانے میں پیدا ہوتی ،سر جھٹکا۔

''آؤاب تو کافی رات ہوگئی ہے میں تم کوتمہارے کمرے میں چھوڑ دوں۔۔اور یہ صائم بھی ابھی تک نہیں آیا۔میرا بھائی ،فرینڈز میں تو اسے ٹائم کا پتہ ہی نہیں چلتا بے چارہ پڑھائی تو اس کے بس کا روگ نہیں ابو ہی اس کو پاس کرواتے ہیں میں نے ابو کو کہا بھئی ،اس کو خود کوشش کرنے دیں،ایک بار فیل ہوگا تو خود کوشش کرے گا ،لیکن ابو نہیں مانتے ،چلو خیر یہ تمہارا کمرا ہے باقی سارے کمرے ،ہماری حویلی میں خالی ہی ہوتے ہیں سوائے یہ کمرا صائم کا اور وہ سامنے میرا۔ابو کا نیچے ہے اور امی حیات نہیں۔وہ تیسرے کمرے تک جا پہنچے لاک کھولا کہ چابی ملازم سے لے لی تھی اس نے کمرا کھولا اور لائٹ آن کی اور اندر پاؤں رکھا۔کمرا واقعی بڑا نفیس تھا۔

''چلو تم آرام کرو میں ملازم سے کہہ کر تمہارے لئے کھانا بجھواتا ہوں اور ساتھ ہی تمہارا سامان بھی ،مجھے یقین ہے تم کو بھوک لگی ہوگی بھاگنے کے پلان کو ذہن میں رکھتے ہوئے تم نے یقیناً ڈنر نہیں کیا ہوگا۔'' وہ مسکرایا،''ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔'' سامنے پڑے کاغذ پر ایک نمبر لکھا''یہ نمبر ملاؤ تو ملازم کو جو کہوگی،تم کو لادے گا۔۔گڈ نائٹ ،کمرا اندر سے بند کر لینا۔او کے صبح کو بات ہوتی ہے'' اور وہ چلا گیا، ایشاء کچھ نہ بولی مبہوت سی سب دیکھتی وہ گئی۔کمرا بند ہوا وہ حواسوں میں لوٹی۔کمرے کا طائرانہ انداز میں جائزہ لیا۔نیلی روشنی میں دھمکتا کمرا بہترین نمونہ کا عکاس تھا،ٹیبل لیمپ،ایک مسند اور خوبصورت بیڈ۔ کھڑکی پر پڑے بلائنڈز سے پڑے دیکھو تو خوبصورت لان۔کیونکہ یہ کھڑکی باہر لان کی جانب کھلتی تھی ۔باتھ روم اٹیچ تھا نیلی ہلکی روشنی کی دبیز چادر بیڈ پر پڑی تھی۔سنگل بیڈ تھا۔لیکن سنگل بیڈ سے تھوڑا بڑا دِکھتا تھا۔ایسے بیڈ کبھی اس نے ترکھانوں کی دکانوں پر بھی نہ دیکھے تھے۔چادر کو چھونے پر لگتا تھا کہیں یہ خراب ہی نہ ہو جائے۔ٹک ٹک ہر چیز کو دیکھتی،پھر بیڈ پر سمٹی۔نرم نرم بستر۔۔گویا روئی ،۔کمر میں اکڑن کا اندازہ اب ہوا تھا۔دستک ہوئی ایک ملازمہ اندر داخل ہوئی سلام کیا،کھانا ایک بڑی ٹرے میں پڑا تھا ۔اسے اندازہ ہوا ابھی تو صائم نے بھی کھانا نہ کھایا ہوگا۔شرمندہ ہوئی پوچھ ہی لیتی۔ پر وہ کیا پوچتی اس کا اپنا گھر تھا جب مرضی کھانا کھالیتا۔وہ میرے ساتھ کہاں کھائے گا۔ملازمہ نے کھانا ٹیبل پر رکھا جو سائیڈ پر پڑا تھا اوراس کے ساتھ ہی کُرسی پڑی تھی

''آپ کھانا کھالیں ،مزید کسی چیز کی ضرورت ہوتو صاحب نے آپ کو نمبر دِیا ہے اس پر فون کر لیں ،ہم بجھوادیں گے شکریہ گڈ نائٹ۔''ملازمہ رسمی باتیں کرتی باہر نکل گئی،وہ بیڈ سے اتری ،پاؤں کو دیکھا جو گرد سے اٹے تھے۔''اور یہ آپ کے کپڑے''اس کی کپڑوں کی گٹھڑی وہی ملازمہ اس کے لئے لے آئی تھی۔وہ کرسی پر بیٹھی۔کھانے میں بریانی،کٹلس،فرنچ فرائز،فروٹ بریڈ،اور بھنا ہوا چکن تھا۔ ذبان ان ذائقوں سے ناآشنا تھی۔ہر جمعرات اس کی پھوپھو آموجود ہوتیں''ارے بھیا کیوں ہڈیوں کو گلاتے ہو۔گوشت کی کوئی ضرورت نہیں لانے کی۔ذعا ویسے ہی ہوجائے گی'' ایسے کہتیں جیسے پھوپھو سے زیادہ ابا کا ہمدرد اس دُنیا میں کوئی نہیں۔یہی پھوپھو خوشی سے پھولے نہ سماتی جب ابا اس کے گھر

گوشت اور دوسرے لوازمات لے کر جاتے۔ شاید ایشاء سے ان کو کوئی زیادہ ہی بغض تھا۔ اس نے کبابوں اور دوسرے کھانوں پر ہاتھ صاف کئے۔ پانی پیا، اور مسرور ہوئی۔ بیڈ پر لیٹی اور دوپٹہ لپیٹ کر سرہانے رکھا۔ اور پہلے پہل اجنبیت محسوس کی اور پھر سخت تھکن کی وجہ سے گہری نیند میں ڈوب گئی۔

''حسن کو چاند جوانی کو کنول کہتے ہیں، ان کی صورت نظر آئے تو غزل کہتے۔۔'' صائم گنگناتا، چابی انگلیوں پر گھماتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ ''یہ کیا۔۔ یہ کمرہ کیوں کھلا ہے کوئی آیا ہے کیا۔۔'' اس نے سوچا اور پھر آگے بڑھا کمرہ کھلا تھا۔ اور اندر لائٹ جل رہی تھی ہلکا سا ہلانے پر دروازہ تھوڑا کھل گیا، نرم بستر پر کوئی ماہ جبیں محوِ استراحت تھی چاند چہرہ باہر نکلا تھا اور کالی گھٹائیں ایک صبیح چہرے کو گھیرے تھیں۔ نرم، شفاف رونق سی تھی چہرے پر۔ صائم بت بنا، چند لمحے دیکھتا ''یہ کون ہے، رشتہ داروں میں سے تو نہیں۔۔ ابو بھائی میں سے کسی کی جاننے والی۔۔۔۔ کبھی دیکھی تو نہیں'' وہ آگے بڑھا ''چور تو ہو نہیں سکتی، چور ہوئی تو اندر کیسے آئی اور آ کر لیٹ جانا۔۔ لیکن ہے کمال کی۔۔'' وہ مسکرایا۔ ''اے۔۔ اے لڑکی'' وہ بولا۔ لڑکی کسمسائی بھی نہیں۔ ''یہ تو کوئی گہری نیند سوئی ہوئی ہے رات کے تین بھی تو بج گئے ہیں'' دوپٹہ سائیڈ پر پڑا ہوا تھا۔ صائم بات کئے بغیر تو جانے والا نہ تھا جاننا چاہتا تھا۔ یہ ہے کون صبح کا انتظار کرنا بھی محال تھا اس کے لئے۔ اور ویسے بھی اس کے صبح بھی تو بارہ بجے ہوتی ہے تب تک وہ کیا کرے گا بھلا یہ کوئی کسی ملک کی صدر ہے جو فردِ جرم عائد ہوگی۔ ''اٹھو کون ہو تم۔ اور یہاں کیا کر رہی ہو '' اب کی بار وہ اونچی آواز میں بولا لڑکی کسمسائی تھوری آنکھیں کھولیں ماحول دیکھا، ''یہ کیا کہاں ہے وہ ماحول بالکل اجنبی لگا اور سامنے کھڑا لڑکا بھی کوئی جاننے والا نہ تھا تو یہ اجنبی۔۔ کیا وہ اغواء ہوگئی۔۔'' فوری طور پر ذہن میں اس کے یہی خیال آیا۔ اور پھر تو گویا زبان سُن ہوگئی ''کون ہو تم،، میں نے پوچھا کیا اتنا حسین ہوں کہ نظریں بھی نہیں ہٹ رہیں میرے چہرے سے '' وہ مسکرایا اور پھر کھلکھلایا۔

''بچاؤ۔۔ بچاؤ۔ چور۔۔ ڈاکو۔۔ بچاؤ۔۔'' اور لڑکی یک دم چلانے لگی اونچی آواز سے حویلی کے درودیوار دہل گئے اور ملازمہ بیدار ہوئیں تو ساتھ ہی صائم کے تو طوطے ہی اُڑ گئے ''یہ کیا غضب ہوا۔ اپنے ہی گھر میں چور۔ چلو جی قصہ ہی تمام ہوا اب یہ بھی ہونا تھا میرے ساتھ۔۔ یہی کسر رہ گئی تھی چل بیٹا اب بھگت تو بھی۔ تیرا بھی علاج ہے'' دانت پیستا صائم کو سمجھ نہ آیا وہ اسے صفائیاں دے یا خود کو چور ثابت کرنے کے لئے نکل بھاگے اور لڑکی تو اس کو چور بنا ہی چکی تھی۔

☆☆☆

اکتوبر ختم ہوا چاہتا تھا۔ دھوپ کی گرمی تمام ہوئی اور سردیوں کی سرد ہوا گہری اور سائے لمبے ہونے لگے۔ دوپہر سے کچھ آگے کا وقت تھا تین کے قریب۔ وہ کندھے پر بیگ لٹکائے چپل پاؤں میں گھسیٹتی آگے بڑھ رہی تھی۔ وجہ ظاہر ہے ایک تو کالج سے چھٹی ہوگئی تھی اور دوسری یہ کہ آج بس سے اُترتے چپل بھی دَغا دے گئی تھی۔ ٹیچرز علیحدہ سناتی تھیں۔

''فیشن تو دیکھو ہر روز۔۔ اور ایک یہ محترمہ جوتے نہیں خرید سکتیں۔ ظاہر ہے لپ اسٹک اور کاجل پہ کیا کم خرچ آتا ہے'' طنزیہ پاٹ دار آواز کانوں کے پردے میں سوراخ کرتی سیٹی سی بجاتی چلی جاتی۔ جی تو چاہتا تھا کرارا سا جواب دے۔

''اب کوئی میری خوبصورتی سے جلتا ہے تو میں کیا کروں۔۔'' لیکن ہائے رے قسمت۔

''چلو جی اور بھگتو۔۔'' سر نفی میں ہلاتے آگے بڑھی۔ گلی میں آج وہی فقیر پھر بیٹھا تھا۔ یہ بھی ہفتہ دو ہفتے کبھی نظر نہ آتا اور کبھی ہر دوسرے دِن۔ محلے والے اللہ والا کہہ کے چھوڑ دیتے اور جو کچھ حسبِ توفیق، دے بھی دیتے۔

''سلام بابا۔'' بادِل ناخواستہ وہ سلام کرتی۔ پرس سے دس کا نوٹ نکالا اور بابا کو پکڑایا۔

''سلامت رہ۔'' بابا نے نوٹ پکڑتے ہوئے دُعا دی۔ ''ناں سب پیسہ ہی نہیں ہوتا۔۔ یہ تو بس پیٹ بھرنے کے لئے ہے۔ اصل چیز تو من ہے۔ اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنا، کامیاب ہوگی اگر لالچ

کیا تو رسوا ہو گی۔ تم غلط طرف پاؤں ڈال رہی ہو دلدل میں۔ یہ تم کو نگل جائے گی بچ جاؤ نہیں تو پوری زندگی پچھتاؤ گی۔" چلو جی ان کی کسر باقی تھی۔

"بابا! کیا آپ بدؤعا ہی دیتے ہیں کیا۔ اس ٹوٹی ہوئی چپل۔ پھٹی ہوئی نوٹ بکس۔ بسوں کے دھکے کھا کر میں آتی ہوں دماغ ٹھکانے آ جاتا ہے اوپر سے ٹیچرز کے کوسنے۔۔ کیا کروں۔ چھوڑیں۔۔ آپ نہیں سمجھیں گے۔" اپنی مجبوریاں بیان کرتی اور تلخ ہوتی گئی۔ جواب میں بابا صرف مسکرائے۔ وہ آگے نکل گئی۔

"اماں۔۔ اماں!۔۔ پانی دو۔۔ چپل گیٹ کے پاس ہی اُتار کر پھینکے۔ پرس پڑے دھکیلا۔

"میری شہزادی آئی۔۔ ٹھیک ہے۔۔ کیا کرتی ہے موج ہی اڑاتی ہے ناں۔۔ پڑھتی کہاں ہے بس۔ ٹیچرز کو تنگ کرتی ہے۔ لا تجھے کنگھی کر دوں۔۔" گھونسلا ہوئے بال، سوکھے ہونٹ اور اَن دھلے منہ کے ساتھ کنگھی اٹھائے اس کی خالا اس کے سر پر تھیں۔

"ہٹیں پڑے، اماں،! یہ دیکھیں۔۔ خالا کو۔۔ پڑے ہٹیں میں نے کہا۔۔ دماغ خراب نہ کریں میرا۔ اپنا پتہ نہیں میری کنگھی کریں گی۔ یاد ہے پچھلی دفعہ بھی آپ نے ایسا کنگھا گھمایا تھا کہ سارے بال کنگھے میں ہی رہ گئے تھے پتہ نہیں مجھ سے کیا دشمنی ہے آپ کو۔۔ جائیں یہاں سے اور یہ اماں کہاں ہیں۔ ہر طرف ایک نئ مصیبت۔" کائنات جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

"ارے میری نخرے باز بیٹی۔۔ اتنا پیار تو کرتی ہے تیری خالا تجھ سے۔۔" خالا نے دانت نکوسے اور کسی جراثیم کی طرح پھر اس کی طرف پلٹیں۔ نزہت اس کے لئے پانی لے آئیں اور بستہ اور فائلز اُٹھا کر اندر رکھے۔

"خالا جاؤ یہاں سے۔۔ آگے سو عذاب بھگت کے آئی ہوں۔۔ چپل راستے میں ٹوٹ گیا۔۔ سو عذاب۔ بس میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی کتنی مشکل سے آئی ہوں میں ہی جانتی ہوں اور ایک یہ راستے میں فقیر بابا۔۔ ہمیشہ غلط بات ہی کہتے ہیں۔ گھر آؤ تو پھر تو دیوریبل (ہمیشہ کے) سین دیکھنے کو ملتے ہیں۔۔" وہ طنزیہ خالا کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اور اُن کے ہاتھ سے میل کچیل سے بھری کنگھی کو کھینچ کر دور پھینکا۔ خالا افسردہ ہوئی پھر کنگھی کی طرف بھاگیں۔۔ "اتنا صاف خود رہتیں ناں تو یہیں نہ بیٹھی رہتیں آپ"

"میں کہا۔ تو بھی نہ بیٹھی رہ ماں کے گھر۔۔"

"اللہ نہ کرے۔۔ خالا کوئی عقل کی بات بھی کر دیا کرو۔۔ ایویں اماں تم کو دماغ پھرا کہتی ہے ،۔۔ سب سمجھتی ہو تم۔۔"

"دھیرج۔۔ دھیرج۔۔ بیٹی، خالا ہے تیری کیا کہتی ہے۔۔ ارے بے چاری کو بھائی رکھنے کو تیار نہیں تو کیا میں تو بہن ہوں ناں۔۔ کیا بہن کو گلی میں چھوڑ دوں کیا۔۔ اب اس نے مرنا یہیں ہے۔۔ برداشت کر بیٹی۔۔ خیال رکھا کر خالا کا" اماں ایموشنل ہو گئیں۔

"اچھا اماں۔۔۔ میں سونے لگی ہوں۔۔ ٹیوشن والے آئیں تو جگا دینا۔۔ آج ٹیکو کو کہوں گی۔ دو پیسے۔۔ جوتے تو لوں۔ آگ لگی ہوئی ہے ٹیچرز کو میری خوبصورتی سے۔۔ کہیں نظر ہی نہ لگا دیں۔۔ جوتے لوں تا کہ ان کے "کواڑ" بند ہوں"۔۔ جھنجھناتی، کوستی اندر کو بڑھی۔۔ خالا اب امرود کے پیڑ سے پتے توڑ توڑ کر کوئی منہ میں چبائے تو کوئی بالوں میں اٹکائے جا رہی تھیں۔ نزہت اُداس نظروں سے بہن کو دیکھتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

زرد دھوپ عجب انداز سے زمین پر ڈھل رہی تھی چپکے چپکے چلتی ہوا کی لہریں سرگوشیاں کرتی پاس سے سرک جاتیں۔ لہلہاتے درخت و پودے دھوپ سے چمکتے اور ہوا سے لہراتے اِک شان سے کھڑے تھے کھیتوں سے گزرتے شہر کی طرف بڑھو اور قریب گھر سے تیسرے گھر کی پہلی منزل کے کمرے جس کی

کھڑکی ایک لان کی طرف ،ایک گھر کے پچھلے طرف تھی اندر دیکھوتو ایک لڑکی کتابوں میں سر گھسائے بیٹھی تھی ۔دروازے پر دستک ہوئی اور آنے والے نے اجازت کا انتظار نہ کیا ،ایک ننھا سا لڑکا اندر داخل ہوا۔دونوں کی شکلیں دیکھوتو پتہ چل جائے کہ یہ دونوں بہن بھائی ہی ہیں لڑکی نے چھوٹے کی طرف دیکھا

''ارے واہ ایپل !یہ ڈبہ کہاں سے لیا ،کیا ہے اس میں ۔۔''راعنہ نے چھوٹے سے پوچھا جو ہاتھ میں ایک گلابی چمکدار کورنگ شیٹ میں لپٹائے ایک جوتے کے ڈبہ سے کچھ چھوٹا ایک کارٹن سا اُٹھائے اس کے پاس پہنچا تھا۔

''آپی یہ آپ کے لئے ہے۔''ایپل عینکوں کی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔راعنہ نے ہاتھ سے پین رکھا اور چھوٹے کا بڑھایا ہوا ڈبہ ہاتھ میں لیا۔

''یہ کس نے بھیجا۔۔؟''ایپل کی طرف دیکھتے ہوئے اور ڈبے کو الٹ پلٹ کر ،کہ ہوسکتا ہے کہیں بھیجنے والے کا نام لکھا ہو ،بولی۔

''پتہ نہیں آپی ۔۔ایک آدمی آیا۔۔میں لان میں کھیل رہا تھا وہ دے گیا کہ مس راعنہ کو دے دو۔ ڈاک والا نہیں تھا کوئی اور تھا اور میں نے ڈبہ لیا تو وہ آدمی چلا گیا''

''کیا۔ایپل ۔۔ہر ایک سے جو ہوتا ہے لے لیتے ہو لیکن یہ بھیجا کس نے ۔۔؟؟''وہ سوچتے ہوئے بولی۔''اچھا ۔۔ٹھیک تم جاؤ۔میں دیکھتی ہوں ۔۔''اس نے ڈبہ بیڈ پر رکھ لیا۔

ایپل ''اچھا'' کہتے ہوئے دروازے سے پرے جاتے ہوئے چار بار مڑ کے دیکھ چکا تھا۔ایپل کا اسم مبارک شہیر تھا۔گول گول لینز ز اور موٹی گول مٹول گالوں کی وجہ سے اس کا نام ایپل پڑ گیا تھا۔

راعنہ نے شیٹ پھاڑی ۔خوشبو کا جھونکا نتھنوں سے ٹکرایا۔کوئی خوشبو سی تھی جو حواس مختل سی کئے دے رہی تھی ۔۔''اف''کسی نے بے حد پرفیوم کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ڈبہ سفید تھا بالکل الٹنے پلٹنے پر بالکل عین نیچے ''ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں جناب ۔ہمیں بھی لفٹ کرادیا کریں ۔ہم کوئی چڑیلیں تو نہیں جو آپ کے پیچھے پڑ جائیں گی ۔۔''ساشے نے شرارت سے کہا لیکن رومان کے منہ پر ہنوز ''نو لفٹ'' کا بورڈ آویزاں تھا۔۔کے حصے میں ایک چھوٹا پیکٹ تھا بالکل لفافہ کا سا۔۔اسے کھولا چھوٹے چھوٹے پرچیوں کے سے ٹکڑے باہر گرے جن پر انگریزی کے کچھ حروف تھے ۔ہر کاغذ پر علیحدہ ایک حرف لکھا تھا ۔

''یہ کیا ہے'' کچھ دیر اُلٹا پلٹا ۔۔مگر کچھ سمجھ میں نہ آنے پر ڈبہ کھولا ۔۔یا حیرت ۔اندر ڈبہ گلابوں سے بھرا تھا ،سرخ چمکدار پیارے تازہ گلاب ،بالکل فل وہ بھی بالکل تازہ اور ملائم ۔

''یہ واہ کس نے بھیجا ۔''پھولوں کو ہاتھوں سے پکڑا تو اندر ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا کھینچ کر باہر نکالنے پر پتہ چلا کہ یہ چاکلیٹ ہے ،دوبارہ ہاتھ مارا ۔۔پھر ڈبہ اُلٹ دیا ۔۔گلاب بیڈ پر گرے تھے ،بکھرے تھے کچھ کی پتیاں ٹوٹی تھیں ۔لیکن اور کچھ نہ تھا ۔اب دوبارہ توجہ ٹکڑوں کی طرف گئی جن پر حروف لکھے تھے ۔جاننے کی بات کہ دو پرچیوں پر بڑے حروف ،جی ،ایم لکھے تھے جبکہ باقی صرف چھوٹے تھے ۔اس کا مطلب ہے کہ ان پرچیوں سے دو لفظ بنتے ہیں کسی کا نام ۔۔ایم ۔۔غلام رضا ،غلام مصطفیٰ ۔۔لیکن مصطفیٰ میں جی ۔۔اور پھر لفظ تو پانچ رہ گئے تھے باقی ۔۔حروف کو آگے پیچھے کرتی رہی ایم کے ساتھ ای لگایا تو (می) بن گیا لیکن باقی حروف منہ چڑا رہے تھے ۔اب جی سے کیا ۔۔۔۔مجھے ڈھونڈو مجھے تلاش کرو اور مجھے پہچانو ۔۔مطلب (چیک ،نو) نہیں یہ نہیں ۔۔(گیس) ہاں اس نے حروف جلدی سے ترتیب دیئے بالکل (گیس) اس کے سامنے تھا ۔(گیس می ۔۔یعنی مجھے پہچانو) سامنے تھا ۔او اچھا ۔۔پہچاننا پڑے گا ۔چھوڑو بعد میں دیکھتے ہیں ،''اس نے ڈبے میں گلاب بھرے چاکلیٹ اور پرچیاں رکھیں اور بند کر کے سائیڈ پر رکھ دیا ۔توجہ بار بار بھٹکتی لیکن بھیجنے والے کا نام ذہن میں نہیں آتا تھا کہ کون ہوسکتا ہے ۔۔ پڑھائی کی طرف متوجہ ہوگئی ۔

"جی ہوگیا کام۔۔میں نے دے دیا۔۔اب میرا حصہ۔۔اس بار بیس پکے۔۔" باہر سے اپیل سر گوشیوں میں فون پر کسی سے مخاطب تھا۔۔جاسوس۔

☆☆☆

"ارے واہ راعنہ! یہ فلمی سی سچویشن نہیں ہوگئی" کومل پرس اور ہاتھ میں لی کتابیں دھم سے گراؤنڈ میں پھینک کر دوزانو ہو کے نیچے بیٹھ گئی۔ پاس ہی ساشے اور رائنہ بھی براجمان ہوگئیں۔

"یار پتہ نہیں کون ہے پہلے تو کبھی میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا" راعنہ نے گھاس نوچتے ہوئے کہا۔

"بھئی تو پتہ چلاؤ ناں کہ کون ہے کوئی یونی کا بندہ محترم ہے یا پھر کوئی رشتہ داروں میں۔۔۔"

"ایک منٹ راعنہ۔۔کہیں تم ہم سے کوئی بات چھپا تو نہیں رہی ہو" کومل راعنہ کے سر پر چڑھ دوڑی ایسا بھی تو ہوتا ہے ہیروئین جانتے ہوئے بھی انجان بنتی ہے۔کوئی تو ہے ذہن لڑاؤ کوئی لڑکا جو تمہارے زیادہ قریب رہتا ہو۔۔"

"اُف یار تم لوگ میرے پیچھے پڑ گئی ہو کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے تم لوگوں نے تو مجھے۔۔میں جانتی ہوتی تو کیا تم لوگوں کو ایسے کہتی۔تم لوگوں کو پتہ تو ہے لڑکے ذات زہر لگتے ہیں مجھے۔۔یونی میں بھی دیکھ لو۔شاہ زر کے علاوہ کوئی بات کرتا ہے مجھ سے" راعنہ نے وضاحت کی۔

"اچھا۔۔لیکن وہ گھامڑ رومان بھی تو ہے جو تمہارے پیچھے بھٹکتا رہتا ہے کسی بے چین روح کی طرح۔۔" کومل قہقہہ لگا کے ہنسی ساشے بھی کم نہ تھی۔

"تم لوگ میرے دوست ہو کے میرا ہی مزاق اُڑاؤ۔میں ہی پاگل ہوں۔۔" راعنہ غصہ ہوئی تو ساشے کھلکھلائی۔

"چلو بھئی بھاگو۔۔سر گیلانی کی کلاس شروع ہونے والی ہے۔۔" کومل کو یک دم خیال آیا "ہیں چلو چلو۔۔"

تینوں نے بیگز، آئی فونز اور جرنلز اُٹھائے اور چل دیں۔تھوڑا ہی دور رومان ان کی طرف ہی آ رہا تھا

"ہیلو راعنہ۔کیسی ہو" رومان نے سادہ سے انداز میں راعنہ سے پوچھا۔

"میں ٹھیک۔آپ سنائیے۔" راعنہ ساشے کی بات پر مسکرائی اور رومان سے پوچھا۔

"آپ کی دُعا۔دراصل مجھے آپ کے نیوکلیئر کے نوٹس چاہییں تھے کہ کاپی کرالوں۔سر گیلانی ان میں سے آج چند ٹاپک ڈسکس کریں گے" رومان نے وضاحت کی۔

"اوہ۔نیوکلیئر کے نوٹس۔۔" ساشے پھر میدان میں کود پڑی "وہ تو میرے پاس ہیں کہیں تو دوں۔۔؟" سوالیہ۔

"راعنہ پلیز آپ ان سے نوٹس لے کر دیں۔میں ابھی کاپی کرا کر آپ کو کلاس میں واپس کر دوں گا" رومان التجائیہ تھا۔ساشے کا منہ بگڑا۔وہیں کومل مسکرا دی۔

"ساشے رومان کو نوٹس دے دو۔اچھا۔آپ کلاس میں لے کے آجائیے گا" راعنہ دونوں سے مخاطب ہوئی۔

"اچھا" ساشے نے فائل میں سے نوٹس نکالے۔اور رومان کی طرف بڑھائے۔

"میرے لئے بھی کاپی کرالاؤ گے۔۔پیسے دے دوں گی" ساشے ہنوز تنگ کر رہی تھی۔

"او کے۔" رومان نے لیتے ہوئے کہا اور فوراً روانہ ہوگیا۔

"اُف اتنا مغرور۔لڑکا ہو کر۔توبہ راعنہ سے پتہ نہیں کیسے بات کر لیتا ہے۔ہم کو تو دیکھتا بھی نہیں۔۔کیسے آتے ہی راعنہ کیسی ہو۔۔اور ہم تو جیسے انسان نہیں بھوت یا پھر راعنہ کے دو عدد فرشتے ہیں" ساشے بگڑی اور راعنہ مسکرائی۔

''ارے بھئی۔کیا کہیں۔ہماری دوست ہے ہی اتنی پیاری۔کہ کوئی دل پھینک سے دل پھینک، مغرور سے مغرور بھی راعنہ کو نہ دیکھے تو خود کے ساتھ زیادتی کرے۔'' کومل نے راعنہ کی مزید تعریف کی۔

''چھوڑو اور لمبی لمبی۔۔تمہارا کام ہی یہی ہے راعنہ نے ادا سے بال پیچھے پھینکے اور جلدی سے تینوں سیڑھیاں چڑھ گئیں۔

دو آنکھیں کلاس تک ان کا پیچھا کرتی رہیں۔

پلوشہ عجوہ کی شاخ ہاتھ میں لئے عجوہ توڑ توڑ کر کھا رہی تھی۔شیری پاس ہی ایک پتھر پر بیٹھا میٹھا چوس رہا تھا۔

''ویسے پلوشہ تم کبھی ہماری طرف نہیں آئیں۔۔''شیری نے پوچھا۔

''بس مجھے ان پہاڑوں سے نکلنے کا دل نہیں کرتا۔۔پہاڑ میری زندگی ہیں ویسے بھی میں سوچتی ہوں اپنی امی ابا، خالا خالو کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔۔میں نہیں جا سکتی میری روح ہے ان میں۔کہیں جاؤں گی تو میری روح یہیں رہ جائے گی۔۔'' کھوئے کھوئے سے لہجے میں اپنی محبت اُجاگر کرتی پلوشہ پہاڑوں کو بے پناہ پیاری لگی تھی۔

''کبھی ہمارے گھر تو آؤ ''شہری کو یقین تھا پہاڑوں کے خلاف وہ بھی پلوشہ کو کرنا ناممکن تھا۔

''ہاں آؤں گی کبھی اماں ابا کے ساتھ۔۔اگر کبھی ادھر آئے تو۔۔ویسے تمہارے ابو ہماری طرف کبھی نہیں آئے اور نہ ہی میرے اماں ابا تم لوگوں کی طرف گئے۔لاکھ پوچھنے پر بھی اماں نے نہیں بتایا۔ ابا کبھی کبھی تمہارے ابو کی شرارتیں بتاتے ہیں کہ وہ بچپن میں بہت گھومے ابو تو شہر میں رہتے تھے اماں سے شادی کے بعد یہاں علیحدہ گھر بنایا کیوں کہ اماں پہاڑوں کو چھوڑنے پر رضامند نہ تھیں اور دوسرے اپنے اماں باوا اور زمین کے بغیر نہ رہ سکتیں تھیں۔ابو کہتے ہیں نومی چاچا اور وہ لاہور میں بہت کھیلے۔

ظاہر ہے یہ دونوں بھائی ہیں میرے ابو نے آٹھ پڑھیں اور فوج میں بھرتی ہوئے اور تمہارے ابو بھی پھر ریٹائر ہو گئے میرے ابو کو تو اب کوئی دس سال ہونے کو آئے گھر کے کام کاج ہی امی کو کراتے ہیں۔ پینشن لے آتے ہیں خرچے ہمارے اتنے ہیں بھی نہیں اور دوسری فصلیں بیچ کر ماہانہ آمدنی کم از کم چالیس ہزار کے لگ بھگ ہو جاتی ہے تم نے ہمارؤی سبزیوں کا باغ دیکھا تھا ناں۔کتنا پیارا ہے اور کتنی زیادہ سبزیاں، ہم کاشت کر لیتے ہیں آلو ٹماٹر، بھنڈیاں، لہسن، پالک، جنگلی پیاز، سب ہی کاشت کرتے ہیں، گائے سے گھی حاصل ہوتا ہے جو بالکل خالص ہوتا ہے ابو ادھر ادھر کے لوگوں کو بیچ آتے ہیں جو اپنے رشتہ داروں کو، جو شہر میں رہتے ہیں، دیتے ہیں۔اچھا میرے بارے میں تو تم سب جان ہی گئے ہو۔۔تم بتاؤ تمہارے بھائی آج کل کیا کرتے ہیں''

''ہمارا ایک بھائی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔۔ارمان نام ہے اس کا۔۔سولہویں کلاس میں، دوسرا میری طرح گھومتا ہی ہے، اور تیسرا آٹھ جماعتیں پڑھ کر ایک ہوٹل میں کام کرتا ہے۔ابو بس کیا کریں پنشن لاتے ہیں اسی سے بھائی کے پڑھائی کا خرچ اور گھر کا خرچ نکلتا ہے ''شیری نے چند جملوں میں وضاحت کی۔

''اچھا لیکن تم لوگوں کو اب چاچا کو سپورٹ کرنی چاہیے۔۔بوڑھے ہو گئے ہیں اب۔تم اور تمہارے دوسرے بھائیوں کو اب کمانا چاہیے''

''ہاں اب مجھے کم از کم تمہاری بات تو ماننی چاہیے۔۔''شیری مسکرایا۔۔چھلکے پھینکے، اور اٹھ کھڑا ہوا۔

پلوشہ اٹھی، اٹھتے ہوئے ٹانگ سُن ہو جانے کی وجہ سے پاؤں لڑکھڑایا اور پاؤں سے چپل پھسلی اور پاؤں گھاس پر جا پڑا اور کانٹا پاؤں کے اندر تلک گھس گیا۔''سی''پلوشہ کے منہ سے نکلا۔۔شیری چونکا ۔۔''کیا ہوا ''پلوشہ اسی جگہ بیٹھ گئی۔پاؤں الٹا تو اک کانٹا چبھا تھا۔خون نکل رہا تھا۔شیری کے دل کو کچھ

ہوا۔ پلوشہ نے کانٹا ہاتھ سے پکڑ کر نکال دیا۔۔شیری آگے بڑھا۔ جب تک پلوشہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چپل دوبارہ پہنی۔

''تمہارے پاؤں سے تو خون نکل رہا ہے پلوشہ، کیسے چلو گی تم۔۔'' شیری پریشان تھا۔

''شیری صاحب میں پہاڑوں کی بیٹی ہوں پہاڑوں کی طرح سخت۔ یہ چھوٹے موٹے کانٹے مجھ پر کوئی اثر نہیں کرتے۔ یہ آپ جیسے شہری لوگ زرا زراسی بات پر آہ و بکا کرنے لگتے ہیں صبر ہماری نسلوں سے ہمارے ساتھ ہے اور واویلا مچانے سے حاصل بھی کیا۔۔۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔'' شیری شرمندہ ہوا۔ ایک لڑکی اس سے زیادہ مضبوط تھی۔ اسے وہی کھائی دوبارہ یاد آئی جھرجھری سی آ گئی۔ بے شک صبر صرف مردوں کا شیوہ ہی نہیں۔

دور گھاس سرخ ہوا جا رہا تھا اور خون کو چومتے، اس کی وفاداری پر لہلہاتا، سر اٹھاتا، جھومتا مسرور سا تھا۔

☆☆☆

''نام''

''ہما جہانگیر علی''

''اپنے شوہر سے طلاق کیوں چاہیے آپکو۔۔''

''اور کیا کسی اور کے شوہر سے طلاق لوں۔۔؟ میں نے اس کے ساتھ نہیں رہنا''

''لیکن کوئی وجہ تو بتانی ہو گی آپکو طلاق لینے کی ''

''کیا یہی کافی نہیں کہ وہ مجھے زہر لگتا ہے اور اب ایک لمحہ بھی اس کے ساتھ گزارنا میرے لئے گوار نہیں''

''اب جب آپ کی شادی کو اتنا عرصہ ہو چکا۔ جب آپکی ایک بیٹی بھی ہے۔ اولاد کے بعد تو والدین نبھانا چاہتے، ان کے بہتر مستقبل کے لئے۔ اور آپ اپنا رشتہ ہی توڑنا چاہتی ہیں۔ بہر حال آپ کی مرضی لیکن کوئی وجہ بھی تو ہو''

''ٹھیک ہے آئندہ میں وجہ کے ساتھ آؤں گی۔''

اس نے پرس بغل میں دابا، اور پرعزم انداز سے پھاٹک پار کر گئی۔

☆☆☆

((اگلی قسط آئندہ ماہ)

افسانہ
سرابِ زیست
عاصمہ عزیز

''سراب رستے''

عاصمہ عزیز۔راولپنڈی۔

وقت بعض اوقات بہت بے رحم ثابت ہوتا ہے۔کسی کو آزمانے پر آئے تو زندگی کے کشکول میں اتنی محرومیاں بھر دیتا ہے کہ انسان کو ان محرومیوں سے نجات کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔وہ کبھی اندازہ نہیں کر پائی تھی کہ یہ وقت کی ستم ظریفی تھی یا اسکی قسمت کا کھیل کہ اس نے اس گھر میں آنکھ کھولی جس کی درودیوار سے محرومیاں اور نارسائیاں کسی دیمک کی طرح چمٹی ہوئی تھیں۔رات کے اس پہر جب ہر کوئی محوخواب تھا اور سیاہ آسمان پر تارے ٹمٹما رہے تھے وہ صحن میں بچھی چارپائی پر چت لیٹی ہمیشہ کی طرح از سرنو اپنی محرومیوں کا جائزہ لے رہی تھی۔سب سے پہلا شکوہ تو اسے یہی ستاتا تھا کہ شہزادیوں جیسا حسین چہرہ جس کو دیکھ کر کسی محل کی ملکہ ہونے کا گمان گزرتا' لیکن یہ قسمت کا کھیل تھا کہ وہ کسی محل کی ملکہ نہیں بلکہ ایک معمولی سبزی فروش کی بیٹی تھی۔۔انسان کا المیہ ہی یہی ہے کہ وہ اپنی محرومیوں کا رونا روتے ہوئے اپنی تقدیر کو موردالزام ٹھہراتا ہے اور اپنی زندگی میں حاصل شدہ نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے۔

ثانیہ رحمان کو اپنی محرومیاں چھپانے کے لئے ہمیشہ جھوٹ کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔اسے آج بھی وہ دن یاد تھا جب شہر کے مشہور گورمنٹ کالج میں اس کا پہلا دن تھا۔کالج میں جگہ جگہ گھومتی کھلکھلاتی لڑکیاں' جن میں سے کئی کے اسٹرائیکنگ شدہ بال تھے تو کسی کی آنکھوں کو دیکھ کے گمان ہوتا جیسے کاجل کی پوری بوتل آنکھوں میں انڈیل دی گئی ہو۔ایسے میں اپنا تھیلا نما بوسیدہ بیگ اور رف حلیہ دیکھ کر اسے سخت شرمندگی محسوس ہوئی تھی ۔بے اختیار اس نے اپنے بیگ کو اپنے دوپٹے کی اوٹ میں چھپایا اور خود کو لڑکیوں کی نظروں سے بچا کر کالج لان کے بالکل کونے میں واقع درخت کے سائے تلے بیٹھ گئی تھی۔اداسی اس کے گرد ایک دفعہ پھر اپنا حصار تنگ کر رہی تھی۔حسن کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود وہ محض اپنی اس غربت کی وجہ سے لڑکیوں سے گھلنے ملنے سے ہچکچا رہی تھی۔

انسان بعض اوقات جتنا خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی لوگوں کی نظروں میں عیاں ہوتا ہے۔درخت کے سائے تلے بیٹھے ابھی کچھ لمحے ہی گزرے تھے کہ بالوں کی پونی ٹیل بنائے نک سک سے تیار ایک لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔

''ہیلو اریبہ ہیئر''۔اس نے ثانیہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا۔اریبہ بصیر بہت باتونی اور زندہ دل لڑکی تھی تبھی پورا گھنٹہ اس سے گپ شپ کرتے ہوئے اسے وقت کا احساس تک نہ ہوا تھا اور ساری مایوسی اڑن چھو ہو گئی تھی۔باتوں باتوں کے دوارن اس نے اپنی فیملی کا بائیو ڈیٹا اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔جس کو سن کے ثانیہ کے دل میں احساس کمتری ایک دفعہ پھر عود کر آیا تھا۔کیونکہ اریبہ بصیر کا تعلق ایک ایلیٹ کلاس سے تھا۔اسکے ماں باپ کی علیحدگی ہو چکی تھی' ماں اور ایک سوتیلا بھائی دونوں امریکہ میں مقیم تھے جبکہ باپ کا شمار ملک کے مشہور بزنس مینز میں تھا۔

''خوش قسمتی سے ہم دونوں کے ایک ہی سیکشن میں ہیں اس لئے ہماری دوستی خوب چلے گی۔بلکہ چلے گی نہیں دوڑے گی۔اریبہ شوخی سے کہہ رہی تھی۔تم نے اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتایا۔کتنے بہن بھائی ہو اور بابا کیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ثانیہ کا سانس حلق میں اٹک گیا تھا۔اپنے تعارف کروانے کے وہ جس لمحے سے بھاگ رہی تھی وہ آن پہنچا تھا۔لیکن پہلے ہی دن وہ سب پر اپنا امپریشن شاندار ڈالنا چاہتی تھی اس لئے اس نے بڑی تیزی سے جھوٹ گھڑتے ہوئے کہا''میرے ڈیڈی بھی بہت بڑے بزنس مین ہیں اور ماما تو اتنی رحم دل ہیں کہ وہ سوشل ویل فیئر کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔کہانیوں میں اس نے پڑھا تھا کہ بڑے بڑے بزنس مینوں کی بیگمات سوشل ویل فیئر کا کام کرتی ہیں اس لئے اس نے سوچا کہ اپنی اماں جان کو کیوں پیچھے چھوڑا جائے۔''

''ہونہہ رحم دل'' اس نے تلخی سے سوچا تھا۔ اریبہ بخوبی جانتی تھی کہ سوشل ویل فیئر کا کام کرنے کی وجہ رحم دلی سے زیادہ لوگوں کی نظروں میں اپنا اسٹیٹس قائم رکھنا تھی لیکن ثانیہ کو پہلے ہی دن اسکی کسی بات پہ ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی۔ کندھے پر لٹکے بیگ کو اس نے بیزاری سے صحن میں بچھی چارپائی پر پھینکا تھا۔ اس وقت پیاس کی شدت سے اس کا حلق خشک ہو رہا تھا

جیسے اندر کہیں آگ دھک رہی ہو۔ صحن میں ایک طرف رکھے کولر کے پاس پہنچ کر ابھی اس نے پانی پینے کیلئے گلاس اٹھایا ہی تھا کہ گرم پانی کے چند گھونٹ اپنے اندر انڈیل کر اس نے وہیں گلاس کو پٹخا اور چارپائی پر منہ پھولا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت اسے اندر کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے ٹھنڈے پانی کی سخت طلب تھی لیکن فریج نہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اس نعمت سے بھی محروم تھے۔

''تجھے کیا ہوا ہے منہ کیوں سوجا ہوا ہے۔ اٹھ شاباش وضو کر کے نماز پڑھ۔ نماز نہیں چھوڑنی چاہیے کیونکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا تھا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' اماں نے کمرے سے نکلتے ہوئے اسکا حال پوچھنے کے ساتھ ساتھ نصیحتوں کی پوٹلی کھولی تھی۔

''بس کردو اماں۔ ہر وقت نصیحتیں کرنے مت بیٹھ جایا کرو۔'' اس نے کٹیلے لہجے میں کہا تھا۔

اے لو۔ تیرا دماغ کیوں گرم ہے۔ تجھے تو خوش ہونا چاہیے کہ شہر کے مشہور کالج میں تیرا داخلہ ہوگیا ہے۔ اماں نے تسبیح کے دانے گراتے ہوئے حیرانی سے کہا تھا۔ ''خوشی کیا ہوتی ہے اماں جان میں آج تک یہ نہیں جان پائی۔ یہ پھٹا پرانا بیگ استعمال کر کے مجھے خوش ہونا چاہیے اس نے اپنی ہاتھوں سے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یا سالوں پرانے اڑی ہوئی رنگت کے کپڑوں پر لڑکیوں کی تمسخرانہ نظروں کو سہہ کر مجھے خوش ہونا چاہیے۔ کم از کم میں ان چیزوں پر خوش نہیں ہوسکتی۔ اس نے نم لہجے میں کہا۔

بیٹا دل چھوٹا نہیں کرتے۔ انھوں نے اسکا سر اپنی گود میں ٹکایا اور اسکے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔ غربت باعث آزار تو ہوسکتی ہے لیکن اسکو باعث شرمندگی نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ تو رب کی مرضی وہ جسے چاہے دنیا کے خزانوں سے مالا مال کر کے اسکی آزمائش کرے اور جسے چاہے خالی دامن رکھ کر۔ تیرے لئے تو یہ بات قابل فخر ہونی چاہیے کہ تیرا باپ معمولی آمدنی کے باوجود تجھے پڑھا لکھا باشعور انسان بنانا چاہتا ہے۔

''جو لوگ اپنی غربت پر فخر کرتے ہیں وہ کبھی بھی بلند مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ اسی طرح غربت سے سسکتے سسکتے مر جاتے ہیں۔'' اس نے اسی طرح ان کی گود میں سر رکھے ہوئے کہا۔

''دنیا میں بھی بلند مقام محض دولت سے نہیں بلکہ نصیب سے ملتا ہے بیٹا۔'' اماں جان نے اپنی بیٹی کو سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔ اسلام ہمیں قناعت پسندی کا درس دیتا ہے۔ جو تمھارے پاس ہے اس پہ شکر اور جو نہیں ہے اس پر صبر کرنا سیکھو بچے۔ دوسروں کو حاصل کردہ نعمتوں کو اپنی خواہشات بنا کر ان کے پیچھے بھاگنے والے ہمیشہ خوار ہوتے ہیں۔''

باتوں اور فلسفوں کا دور ختم ہو چکا اماں جان۔ اب دولت ہی سب کچھ ہے۔ وہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے جھٹکے سے اٹھی تھی۔ کچھ نہیں سمجھنا مجھے۔۔ مجھے نئے یونیفارم اور بیگ کے لئے پیسے چاہئیں ورنہ کل سے کالج جانا بند۔ اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا

اچھا اچھا میرا دماغ نہ خراب کر لے لی پیسے۔ مجال ہے جو عقل کی بات چھو کے گزرے بد دماغ کو۔ اسکی ہٹ دھرمی دیکھ کر اماں کا پارہ چڑھا تھا اور وہ بڑبڑاتے ہوئے اسکے پاس سے اٹھ گئیں تھیں۔

☆☆☆☆

وہ ابھی کچھ دیر پہلے اریبہ کیساتھ کالج گیٹ سے نکلی تھی۔ دھوپ کی شدت سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا لیکن مجبوراً وہ اریبہ کیساتھ درخت کے سائے میں کھڑی اسکے ڈرائیور آنے کا انتظار کر رہی تھی ورنہ وہ کب کی

کالج بس میں سوار ہو کر اس وقت تک گھر بھی پہنچ چکی ہوتی۔ ہائی کلاس سے اسکا تعلق نہ سہی لیکن خود کو ہائی کلاس کا فرد شو کرنے کے تمام طریقے اسے ازبر تھے اس لئے وہ اریبہ کے سامنے کالج بس میں نہیں بیٹھنا چاہتی تھی۔ لیکن تپتی دوپہر میں یہ ڈرامہ اسے بہت مہنگا پڑ رہا تھا وہ سخت جھنجلاہٹ محسوس کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی فائل سے ہوا کھا رہی تھی کہ دفعتا گاڑیوں کے ہجوم میں سے ایک سیاہ کرولا اسے اپنے پاس رکتی ہوئی دکھائی دی جس میں ایک ادھیڑ عمر شخص ڈرائیوروں والا مخصوص یونیفارم پہنے گاڑی کے ہارن پہ ہاتھ رکھ کے شاید ہٹانا بھول گیا تھا۔ ''شکر ہے میری گاڑی آ گئی۔ تم بھی چلو تمھیں بھی گھر ڈراپ کر دیں گے۔'' اریبہ نے کہا

''ہوں''۔ شاید ڈیڈی آفس میں بزی ہوں اس لئے ابھی تک نہیں آ سکے۔ ثانیہ نے کہا

تو پھر میرے ساتھ ہی چلو نا۔ اریبہ نے اسے اپنے ساتھ چلنے پر اصرار کیا۔

ہوں۔ چلو ٹھیک ہے۔ اس نے ایسے کہا جیسے بادل ناخواستہ چلنے کی حامی بھری ہو ورنہ اس جھلسا دینے والی گرمی میں اے سی لگی گاڑی میں سفر کرنا اس کیلئے ایک نیا اور فرحت بخش احساس تھا۔

''او ثانیہ پتر''۔۔ وہ ابھی اریبہ کیساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھنے کیلئے چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اسے اپنے عقب سے جانی پہچانی آواز سنائی دی اس نے گردن موڑ کر مخاطب کو دیکھا تو اپنے ابا کو پھلوں کی ریڑھی سمیت دیکھ کر اس کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ شاید اس کے ستارے ہی آج گردش میں تھے جو صبح اماں نے اسکی کام چوری پر اسے اچھی خاصی ڈانٹ پلائی تھی اور اب اس کا پول اریبہ کے سامنے کھلنے کو تھا۔ وہ اس قدر بوکھلائی کہ اریبہ کو لے کر وہاں سے نکل جانے کی بجائے جم کر کھڑی ہو گئی اور ابا اس کے پاس پہنچ چکے تھے۔ ''ثانیہ پتر بس نکل گئی ہے کیا جو تو ادھر اس طرح کھڑی ہے۔'' ابا نے متفکرانہ لہجے میں پوچھا تھا اور اس نے گڑبڑا کر اریبہ کی سمت دیکھا جس کے چہرے پر حیرت چھائی ہوئی تھی۔ اور اس نے اپنی اس حیرت کو ابا سے سوال پوچھ کر ظاہر ہونے سے بھی نہیں روکا۔ ''انکل آ۔۔ آپ ثانیہ کو کیسے۔۔۔

او ثانیہ بیٹی ہے میری۔ اس کو تپتے دوپہر میں بس کا انتظار کرتے دیکھا تو اسے رکشے کا کرایہ دینے چلا آیا کہ آج یہ بھی مزے کر لے۔ ابا نے اپنے آنے کی وجہ بتائی تھی۔

اس سے پہلے کہ ثانیہ اپنی صفائی میں اریبہ سے کچھ بولتی' اریبہ نے اسے شاکی نظروں سے گھورا تھا اور کچھ کہے بغیر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ٹھک سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اسے دکھ اس بات کا نہیں تھا کہ اس کی دوست کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا بلکہ دکھ اس بات کا تھا کہ ثانیہ نے اس سے سب چھپا کر دوستی کے اصولوں کو توڑا تھا۔ وہ اگر اسے اپنی دوست سمجھتی تو اس سے اپنا اصل نہ چھپاتی۔ اس بھری دنیا میں جب اسے ماں باپ کے رشتے سے محبت نہیں ملی تھی تو پھر دوستی کے رشتے میں کیسے خلوص مل سکتا تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم گھر پہنچی تھی اور آتے ہی بستر پر لیٹ گئی تھی۔

شام کو جب ثانیہ کے ابا نے پیسے بچا بچا کر اس کے لیے لایا ہوا لان کا ڈیزائنر کا سوٹ دیکھایا تو کالج کے باہر ابا کی آمد کی وجہ سے ہونے والے واقعہ کی ساری بھڑاس ان کے لائے ہوئے جوڑے پر نکالتے ہوئے اس نے نہایت نخوت سے ناک چڑھا کر کہا تھا۔ ''ابا جان اس طرح کے کپڑے آپ اماں کو ہی لا کر دیا کیجیے۔ آج کل اس طرح کے کپڑے کون پہنتا ہے۔'' اور ابا اسکی بات سن کر اتنا سا منہ لے کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

یہ اوائل جلائی کے دن تھے' فضا میں حبس زدہ گرمی رچی بسی تھی کہ چند لمحوں کیلئے بھی سورج کے سائے تلے کھڑے ہو کے پسینے میں شرابور ہو جانا لازمی امر تھا۔ ایسے میں چند دن پہلے ہونے والی بارش صحیح معنی میں ابر رحمت بن کر نازل ہوئی تھی۔ اس لئے شام کے اس وقت ٹھنڈی میٹھی ہوائیں چل رہی تھیں۔ ثانیہ اس وقت صحن میں بچھی چارپائی پر اپنی کورس کی کتاب میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی لیکن کتاب کو پڑھنے سے

زیادہ اس سے نیچے رکھے موبائل کو چھپانے کا کام لیا جارہا تھا۔"ثانیہ بیٹا دیکھ تو کون آیا ہے۔" ابا کی پرجوش آواز پر اس نے ہڑبڑا کر کتاب ہٹائی تھی اور تیزی سے میسج ٹائپ کرتی انگلیاں تھمی تھیں۔داخلی دروازے سے ابا کے ساتھ اریبہ کو آتے دیکھ کر اس نے زچ ہو کر دانت پیسے تھے جیسے اریبہ کو کچا چبا جانے کا ارادہ ہو اور جلدی سے موبائل کو ساتھ رکھے کالج بیگ کے اندر گھسایا تھا۔کالج میں اس دن کے بعد سے اریبہ سے اسکی بات چیت بالکل بند تھی۔وہ جو کالج کے پہلے دن سے ہر جگہ ساتھ ساتھ گھومتی دکھائی دیتی تھی آجکل دریا کے دو کناروں کی طرح الگ تھلگ تھیں۔وہ اریبہ کو منانا چاہتی تھی لیکن اس دن اسکی کاٹ دار نگاہیں یاد کر کے ہچکچاہٹ اڑے آجاتی تھی۔اس وقت بھی وہ اس سے صحن پڑی واحد کرسی پر منہ موڑے بیٹھی تھی۔ابا اسکے لئے کولڈ ڈرنک لینے باہر چلے گئے تھے۔"آ۔۔آئم سوری اریب۔۔۔ثانیہ نے اسکا ہاتھ تھام کے کہا اور پھر اس نے کتنی ہی دیر اس کے سامنے گلے شکوے کیے ثانیہ نے اسکو منا کے ہی دم لیا تھا کہ روٹھنے منانے سے دوستی ختم تو نہیں ہوجاتی۔روٹھنا منانا تو سچی دوستی کے ingredients میں سے ہے جن کے بغیر دوستی کا رشتہ نامکمل سا لگتا ہے۔

☆☆☆☆

آج ثانیہ نے اسے بتائے بغیر چھٹی کرلی تھی اس لئے اسکا سارا دن جی بھر کے بور ہوتے گزرا تھا۔چھٹی کے وقت وہ ایک طرف کندھے میں سٹائلش سا بیگ لٹکائے لڑکیوں کے ہجوم کو چیرتی جیسے ہی کالج گیٹ سے نکلی اسکی نظر پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی گاڑی پر گئی تھی۔اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے شکر ادا کیا تھا کہ وقت پر پہنچ کر ڈرائیور بابا نے اسے انتظار کی زحمت سے بچا لیا تھا۔وہ ابھی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ اسے ثانیہ کسی خوبرو شخص کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی دکھائی دی۔اگر کچھ عرصہ پہلے اسے ثانیہ کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں پتا نہ چلا ہوتا تو وہ اس وقت ثانیہ کے ساتھ بیٹھے شخص کو اس کا کزن یا رشتے دار سمجھ کر لاپرواہی سے کندھے اچکا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ جاتی۔لیکن اس بڑی سی شاندار گاڑی میں تھری پیس سوٹ پہنے اس شخص کا تعلق کسی بھی طرح لوئیر مڈل کلاس سے نہیں لگ رہے تھا اس لئے اریبہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس شخص کا چہرہ دیکھنے کے لیے چند قدم آگے بڑھائے تھے اور اپنے کزن دانیال درانی کو اپنی مخصوص سن گلاسز آنکھوں میں چڑھائے ثانیہ کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔انسان شاید ازل سی ہی پر تجسس رہا ہے یہ تجسس اور کھوج لگانے کا جذبہ ہی ہے جس سے سائنس دان دنیا میں نت نئی ایجادات کر پاتے ہیں۔اور اس وقت اسی جذبے نے اریبہ کے سامنے اپنی پیاری دوست کی زندگی کا ایک اور پہلو کھول کر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆☆

اس دن بارش چھم چھم برس رہی تھی ،آسمان پر چھائی کالی گھٹائیں کافی دیر بارش کے جاری رہنے کا اعلان کررہی تھیں۔اور برا ہوا کہ میری بس بھی اس دن چھوٹ گئی تھی اور تم تو اس دن چھٹی پر تھی اس برستی بارش میں کالج سے سامنے والے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر میں کسی ٹیکسی یا رکشے کا انتظار فرما رہی کہ ایک تیز رفتار کار نے آکر میرے سفید یونیفارم کو کیچڑ کی چھینٹوں سے بھر دیا تھا۔گاڑی میں بیٹھا دانیال درانی اپنی اس کارکردگی کو ملاحظہ کرنے کیلئے جیسے ہی گاڑی سے نکلا میں نے اسکی تواضح نہایت عمدہ کلمات سے کی تھی۔جواباً اس نے اپنی اس غلطی کی تلافی کیلئے مجھے اپنی گاڑی میں گھر ڈراپ کرنے کی آفر کی۔میں تو پہلے ہی بارش میں بھیگ چکی تھی اس لیے میں احسان کرنے والے انداز میں اسکی اس آفر کو قبول کرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھی تھی۔بیلوی اریب میں اسکی گاڑی میں بیٹھ کے ایسا کھوئی کے مجھے اپنی کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا۔۔اس نے اپنی حالت کو یاد کر کے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔اریبہ نے اسے زبردست گھوری سے نوازہ تو اس نے دوبارہ اپنی بات وہیں سے شروع کی۔میرا کالج کا آئی ڈی کارڈ اس محترم کی گاڑی میں ہی رہ گیا تھا جس کو واپس کرنے کے لیے وہ اگلے دن کالج کے باہر پھر ٹپک پڑا تھا اور ساتھ ہی مجھے اصرار کر کے تھوڑی دیر چٹ چیٹ کیلئے سامنے والے پارک میں لے گیا۔۔اور اسی طرح

کئی دن پارک میں بیٹھ کر کی جانے والی چٹ چیٹ کس طرح دوستی میں بدل گئی اور پھر۔۔۔ثانیہ کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

ہوگئی آپ کی بکواس ختم۔۔۔اریبہ نے پھاڑ کھانے والے انداز میں اس کی بات کاٹی تھی۔وہ دونوں اس وقت کالج کینٹین میں فرصت سے بیٹھی تھیں۔اس لیے اریبہ نے اس سے دانیال درانی کے بارے میں بغیر کسی لگی لپٹی کے پوچھا تھا اور جواباً ثانیہ نے اسے پوری کہانی سنا ڈالی تھی۔

سوری یار میں تمھیں بتانا چاہتی تھی اس بارے میں لیکن۔۔۔

تمھیں اندازہ ہے کہ تمھاری یہ حماقت تمھیں کس دوراہے پر لا کھڑا کر سکتی ہے۔اریبہ نے اسکی بات کاٹتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ثانیہ کی باتوں سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ دانیال کے اسٹیٹس اور دولت کی وجہ سے اسکی طرف متوجہ ہوئی تھی۔اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسکی معصوم دوست اس شخص کے ہاتھوں بےوقوف بنے۔جو لڑکیوں کو ٹائم گزاری کیلئے ایک کھلونا سمجھتا تھا۔

میں کوئی حماقت وماقت نہیں کر رہی سمجھی تم۔۔۔اریبہ کا اس کے لیے حماقت کا لفظ استعمال کرنا اسے سخت زہر لگا تھا۔

ا۔۔اچھا آپ تو بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہی ہیں جس کے لیے آپ کسی تمغے کی حق دار ٹھہرائی جا سکتی ہیں۔اریبہ نے اسکی بات پر طنزیہ لہجے میں کہا۔

اٹس لیفف اریب۔۔۔زندگی میں ہر شخص کو اپنے بنائے ہوئے خوابوں کے محل کی تعبیر کے لیے تگ و دو کرنے کا حق ہے۔اگر قدرت مجھے موقع دے رہی ہے تو میں کیوں گنواؤں۔میں کوئی بےوقوفی نہیں کر رہی وہ جلد ہی اپنے گھر والوں کو۔۔۔

ٹھیک ہے میں تمھیں ثابت کر کے دکھاؤں گی کہ خوابوں کی تعبیر کیلئے تم نے جو راستہ چنا ہے وہ سراب کے سوا کچھ نے۔۔۔اریبہ نے اس کی بات کاٹی تھی اور کرسی کھسکا کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ہونہہ۔جلیس ہوگئی آخر اپنے کزن کے ساتھ مجھے دیکھ کر۔جل ککڑی نہ ہو تو۔ثانیہ نے اسے کینٹین سے باہر نکلتے دیکھ کر زیرلب کہا تھا اور سر جھٹک کر سامنے میز پر پڑا ہوا مینگو شیک پینے لگی تھی۔

☆☆☆☆

"بتاؤ بھئی کیوں بلایا اتنی ایمرجنسی میں۔دانیال درانی نے کرسی کھسکا کر اس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔وہ اور اریبہ اس وقت اسلام آباد کے مونل ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔گلاس ونڈوز کے اس پار شام کے وقت نظر آتے آسمان پر چھائے روئی کے گالوں کی طرح سفید بادل اور سرسبز درخت بہت دلفریب منظر پیش کر رہے تھے۔اریبہ نے اپنے سامنے پڑے گلاس میں پانی انڈیل کر چند گھونٹ پیتے ہوئے اپنے ذہن میں ان باتوں کو دوہرایا جو وہ یہاں دانیال سے کرنے آئی تھی۔اتنے میں ویٹر گرما گرم کافی کے دو کپ سرو کر کے جا چکا تھا جو وہ پہلے ہی آڈر کر چکی تھی۔

بہت ضروری بات کرنی تھی۔اس نے کافی کے کپ پر نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔

بولیں میڈم میں ہمہ تن گوش ہوں۔

ثانیہ کو جانتے ہو تم۔وہی ثانیہ رحمان جو میری کالج فیلو ہے۔

اوں ثا۔ثانیہ۔۔۔دانیال نے کنپٹی کو شہادت کی انگلی سے چھوتے ہوئے سوچنے کی اداکاری کی ورنہ اسے سوچنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس معاملے میں اسکی یادداشت کمال تیزی سے چلتی تھی۔ہوں یاد آ گئی تم کیوں پوچھ رہی ہو۔۔۔اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

بس میرا اس سے پرانا حساب نکلتا ہے۔کیا تم سیریس ہو اس سے۔۔۔می۔۔۔میرا مطلب ہے کیا تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔اریبہ نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہا۔اریبہ کا ڈائریکٹ اس طرح کا سوال کرنا اسے اپنی حماقت لگا تھا۔لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں جا سکتا اسی طرح زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بھی لوٹ نہیں سکتے۔اسکی توقع کے مطابق اس نے کتنی ہی دیر زوردار

قہقہہ لگایا تھا جیسے پتا نہیں کونسا عجوبہ دیکھ لیا ہو۔ "آر یو ان یور سنسز مس اریبہ۔۔تم جانتی ہو مجھے پھر بھی یہ سوال کر رہی ہو۔اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔تمھارا کیا خیال ہے میں ایک تھرڈ کلاس محلے میں رہنے والی ایک معمولی سبزی فروش کی بیٹی سے شادی کرونگا۔ جو خود بھی محض دولت کی لالچ میں مجھ سے امپریس نظر آتی ہے۔ایسی لڑکیوں سے فلرٹ تو کیا جاسکتا ہے لیکن شادی نہیں۔واہ کیا جوک کیا ہے تم نے۔یہی مذاق سنانے کے لیے تم نے مجھے یہاں بلایا تھا"۔اس نے نہایت زہریلے لہجے میں کہا۔اریبہ نے نہایت ضبط سے کام لیتے ہوئے اس کے زبان سے نکلنے والے تیروں کو برداشت کیا تھا۔لیکن دانیال درانی کی پشت پر واقع میز پر بیٹھی ثانیہ کے لیے ان الفاظ کو برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔وہ شخص جو ہمیشہ اس کے سامنے ساتھ نبھانے کے دعوے کرتا تھا،اسکی تعریفوں میں زمین اور آسمان کے قلابے ملاڈالتا تھا اس وقت اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔وہ نہایت خاموشی سے اس کو سننے پر مجبور تھی۔اس کے الفاظ کسی نوکیلے کانٹوں کی طرح اسکے دل میں پیوست ہوکر رہ گئے تھے اور ان سے درد امڈ رہا تھا۔سیاہ گلابی آنکھوں سے کس وقت نمکین پانی بہنا شروع ہوگیا وہ اندازہ نہیں کر پائی تھی۔بعض دفعہ صرف قسمت کھیل نہیں کھیلتی ہمارے ساتھ انسان اس سے بڑھ کر کھیل کھیلتے ہیں۔

اس نے جھٹکے سے کرسی کھسکائی تھی اور اریبہ کی میز سے گزرتے ہوئے شکوہ کناں نظروں سے رخ موڑ کر اس شخص کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔عین اسی لمحے دانیال درانی کی نظر آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھوں پر پڑی تھی اور وہ اسکو یہاں دیکھ کر اپنی جگہ منجمند رہ گیا تھا۔اریبہ حیرت سے گنگ کھڑے دانیال درانی کو چھوڑ کر ہوٹل کے داخلی دروازے کی طرف جاتی ثانیہ کے پیچھے بھاگی تھی۔

☆☆☆☆

آج ایک بات تو بتاؤ مجھے
زندگی خواب کیوں دکھاتی ہے

وہ صحن میں پڑی اپنی چارپائی پر چت لیٹی تھی۔خالی خالی نگاہیں تاروں بھرا آنچل اوڑھے سیاہ آسمان پر ٹکائے ہوئے تھی۔آسمان پر ٹمٹماتے ان گنت ستارے بھی اس کے لیے کوئی خوشنما منظر پیش نہیں کررہے تھے۔جب دل پر سیاہ گھناؤنی رات جیسا سناٹا چھایا ہوا ہو تو نظروں کے سامنے سے چاہے قدرت کے کتنے ہی حسین نظارے گزر جائیں اس من کو قطعاً نہیں بھاتے۔ثانیہ رحمان کتنی ہی دیر آسمان پر پھیلے ان ستاروں میں سے اپنے مقدر کا ستارہ تلاشنے کی کوشش کر رہی تھی جو شاید اس کے مقدر کو روشن کر سکتا۔پتا نہیں ایسی کتنی بیکار کوششیں کرنا اسکے مقدر میں لکھا تھا۔اس کا سر کسی زخمی پھوڑے کی طرح درد کر رہا تھا اور اس دن ہوٹل میں پیش آنے والا واقع بار بار ذہن میں ری وائینڈ ہو رہا تھا۔دانیال درانی کا ہتک امیز لہجہ اور نوکیلے لفظ کئی دن گزر جانے کے بعد بھی اس کی ذہن کی سطح سے مٹ نہیں سکے تھے۔پتا نہیں اسکا قصور کیا تھا جو اس شخص نے اسکو بے مول سمجھ کر اسکے جذبات کو کچل ڈالا تھا۔شاید اپنے مستقبل کو بہتر اور اعلیٰ لائف سٹائل کے خواب دیکھنا ہی اسکا سب سے بڑا قصور تھا۔اور یہ دولت مند افراد تو کسی غریب کو کیڑا مکوڑا سمجھ کر اپنے پیروں تلے روندڈالنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔اس نے دل ہی دل میں کہا تھا۔انسان بڑا ہی خود پسند واقع ہوا ہے اپنی غلطیوں کو بھی دوسروں کے کھاتے میں ڈال کر خود بری ہو جانا چاہتا ہے۔جبکہ دانیال درانی نے اگر اسکو دھوکہ دے کر گناہ کیا تھا تو غلطی تو ثانیہ کی بھی تھی جس نے اپنے خوابوں کی تعبیر اور اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے دانیال جیسے سراب کو سیڑھی سمجھ لیا تھا۔کیا ہوا ثانیہ بیٹا؟ اماں رات کے اس وقت تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھی تھیں کہ اسے سر تھامے صحن میں بیٹھے دیکھ کر انھوں نے تشویش سے پوچھا تھا۔کچھ نہیں ہوا اماں۔۔ثانیہ نے سر اٹھا کر بوجھل اور سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔اماں اسکی آنکھوں میں سرخی دیکھ کر اس کے پاس ہی چارپائی پر آکر بیٹھ گئیں تھیں اور اسکا ماتھا چھوتے ہوئے کہا۔"مجھے تیری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی"۔

"بس سر میں درد ہے تھوڑا۔آپ جائیں پریشان نہ ہوں"۔انھوں نے اسکی بات سنے بغیر اسکا سر اپنی گود

میں رکھا تھا اور نرمی سے دبانے لگیں تھیں ۔ ماں کے ہاتھوں کا شفقت بھرا لمس پاتے ہی اسے عجیب سا سکون محسوس ہوا تھا اور اس نے آنکھیں موندتے ہوئے سوچا۔اماں کو اگر پتا چل جائے کہ میں انھیں کچھ عرصہ پہلے کیسا دھوکہ دیتی رہی ہوں تو وہ میرا سر دبانے کی بجائے گلہ دبانا پسند کریں گی۔

"اماں جان یہ دل ان چیزوں کے خواب کیوں دیکھتا ہے جو ہماری پہنچ سے دور ہوتی ہیں؟"۔ کچھ دیر بعد اماں کو اسکی آواز سنائی دی تھی ۔ "بیٹا جی یہ تو انسان کی فطرت ہے جو چیز پہنچ سے دور ہو گی انسان اس کو وہ پر کشش لگتی ہے۔اللہ نے جو کچھ بھی بنایا ہے وہ انسان کے فائدے کے لیے بنایا ہے اور ان چیزوں میں انسان کے لیے کشش اور محبت بھی رکھی ہے اگر کشش نہ ہو تو انسان ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اللہ نے اسکے فائدے کیلئے بنائی ہیں۔"

پھر وہ بعض لوگوں کو ان چیزوں سے محروم کیوں رکھتا ہے اماں جان؟۔

"یہ دنیا تو ہے ہی امتحان کی جگہ۔یہی تو انسان کا امتحان ہے اگر وہ کسی کو دنیا کی بے پناہ دولت و آسائش سے نوازتا ہے تو وہ اسی میں کھو جاتا ہے یا ان نعمتوں پر اپنے عمل سے اللہ کا شکر گزار رہوتا ہے۔ یہ چیزیں ایک طرف امتحان ہیں تو دوسری طرف شکر گزاری کا ذریعہ بھی۔ اگر وہ کسی کو دنیاوی دولت سے محروم رکھتا ہے تو بھی اسکا امتحان ہے کہ وہ قناعت کا راستہ اختیار کرتا ہے یا انکی محبت میں کھو کر غلط راستے سے ان کو پانے کی کوشش کرتا ہے"۔اللہ تعالیٰ سورہ ال عمران میں فرماتا ہے کہ "لوگوں کیلئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت،عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا"۔اس آیت میں لفظ حب الشھوات استعمال ہوا ہے۔ جانتی ہو شہوات کسے کہتے ہیں؟۔رات کے اس پہر چلتی دھیمی ہوا سے ثانیہ کے چہرے پر آتی بالوں کی لٹوں کو اپنے ہاتھ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے انھوں نے کہا۔اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔آج سے پہلے اسے اماں کی یہ باتیں محض لفاظی اور نصیحت ہی لگتی تھیں مگر اس وقت اسے یہ باتیں سننا بہت اچھا لگ رہا تھا۔نجانے انسان ٹھوکر لگنے کے بعد ہی کسی کی نصیحت پر کان کیوں دھرتا ہے۔؟

"شہوت کہتے ہیں کسی چیز کی طرف انتہائی رغبت یا دل کا کسی چیز کی طرف ٹوٹ پڑنا۔یعنی اس حد تک کسی چیز کی محبت میں مبتلا ہو جانا کہ انسان کو اس چیز کی خواہش سے بھی محبت ہو جائے۔اور جانتی ہو بیٹا بعض دفعہ ہمیں چیزوں سے اتنی محبت نہیں ہوتی جتنی چیزوں کی محبت سے محبت ہوتی ہے۔لیکن اس کا اندازہ ہمیں اس چیز کو پانے کے بعد ہوتا ہے۔انھوں نے ہوا کی وجہ سے سر سے ڈھلک جانے والے دوپٹے کو سر پر جماتے ہوئے کہا۔

"لیکن اماں اللہ نے جب یہ سب چیزیں انسانوں کیلئے بنائی ہیں تو پھر انھیں پانے کی خواہش کرنا گناہ کیوں ہے۔؟"ثانیہ نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

"دیکھو ثانی بیٹا دنیا میں مال کی ضرورت انسان کو پڑتی ہے اور اس کی محبت بھی فطری ہے لیکن جس طرح جو پانی کشتی کو چلاتا ہے اگر وہی پانی زیادتی کی وجہ سے کشتی کے اندر چلا جائے تو اسکو ڈبو دیتا ہے۔اس طرح حد سے بڑھی ہوئی کسی چیز کی چاہت انسان کو ڈبو دیتی ہے۔جس طرح یہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے اس طرح یہاں کے فائدے بھی عارضی ہیں۔اس لیے ان عارضی چیزوں کی محبت میں کھو کر اپنے رب کی رضا کو بھول نہیں جانا چاہیے۔ان کی محبت میں ڈوب کر انسان کو ان سراب رستوں کو اختیار نہیں کرنا چاہیے جو اس کو منزل تک تو نہیں پہنچاتے لیکن ذلت کی عمیق گہرائیوں میں اتارنے کا سبب بن سکتے ہیں۔اماں کی آخری بات پر اسکے چہرے کا رنگ متغیر ہوا تھا۔اسے لگا تھا کہ یہ بات اسی کے لیے کہی گئی ہو۔وہ بھی تو دولت اور اسٹیٹس کی محبت میں اس حد تک کھو گئی تھی کہ صحیح اور غلط کی پہچان کھو بیٹھی تھی۔لیکن دیر سے ہی صحیح اسے سمجھ میں آ گیا تھا کہ دولت اور ہائی اسٹیٹس ہونا کوئی بڑی بات نہیں لیکن غربت کے باوجود بھی عزت اور وقار کے ساتھ جینا بڑی بات ہے۔اس لیے کچھ پانے کے لیے سراب رستوں پر چلنے کی بجائے کوشش اور محنت کا رستہ اپنانا چاہیے جو اللہ کو بھی پسند ہے۔

اماں اسکی سوچوں سے بےخبر اسے کہہ رہی تھیں ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا تھا دنیا میں زہد اختیار کرو (یعنی ضرورت کا ہی لو) اللہ تم سے محبت کرے گا اور جو لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اے ثانی تو سن رہی ہے کہ میں دیواروں کو ہی سنا رہی ہوں۔اماں نے اسے ہنوز آنکھیں موندے دیکھ کر اسے چپت رسید کی تھی۔

اوں۔۔ہاں سن رہی ہوں اماں۔۔اس نے ہڑبڑا کر کہا۔

آئے ہائے کن باتوں میں لگا دیا تو نے۔تہجد کا وقت ہی نکل گیا۔چل اٹھ جا تو بھی اب فجر کی نماز پڑھ کے سوئی۔کتنی دیر سے ادھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے اور اب نماز کے وقت منہ لپیٹ کر سو جائے گی۔اس نئی نسل کے ہر کام ہی الٹے ہیں۔۔اماں اپنی جون میں واپس آ چکی تھیں۔وہ بڑبڑاتے ہوئے فجر کی نماز پڑھنے کے لیے اندر چلی گئیں۔اور وہ بھی آج نماز پڑھنے کے ارادے سے ان کے پیچھے چل پڑی تھی کہ ثانیہ نے اپنے رب کا شکر ادا کرنا تھا کہ اس نے اسے گرنے سے پہلے اریبہ کی صورت میں تھامنے والا ہاتھ مہیا کر دیا تھا۔زندگی میں اونچائی پر چڑھنے والوں کو تو بہت سے ہاتھ تھامنے والے مل سکتے ہیں لیکن نیچے گرنے والوں کو بہت کم ہاتھ تھام کر اوپر اٹھاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کوکنگ کارنر
اقراء عابد

چکن چلی (ڈرائے)

اجزاء۔

چکن بون لیس: (چھوٹے ٹکڑے) آدھا کلو

ادرک لہسن: (پسا ہوا) آدھا چائے کا چمچ

ہری مرچ: 7-6 (کٹی ہوئی بغیر بیج کے)

سفید مرچ (پسی ہوئی) اچائے کا چمچ

چائنیز سالٹ: آدھا چائے کا چمچ

سویا ساس: اسے ڈھیر کھانے کا چمچ

ادرک: (باریک کٹی ہوئی) ۲ انچ کا ٹکڑا

شملہ مرچ: اعدد

ترکیب۔

تیل میں چکن کو فرائی کریں، ادرک لہسن (پسا ہوا) اور ساتھ کٹی ہوئی ہری مرچ شامل کر دیں۔ پھر سفید مرچ پسی ہوئی، چائنیز نمک اور تھوڑا سا سویا ساس شامل کریں اور شملہ مرچ بھی ساتھ میں ڈال دیں۔ آخر میں باریک کٹی ہوئی ادرک بھی ڈال دیں۔ فرائیڈ رائس کے ساتھ نوش فرمائیں۔

☆☆☆

گاجر کا حلوہ۔

اجزاء۔

گاجر: ایک کلو، باریک کدوکش کر لیں

خشک دودھ: تین پیالی

چینی: دو پیالی

چھوٹی الائچی: چھ عدد، دو چمچے چینی کے ساتھ پیس لیں

سجانے کے لئے میوہ۔

بادام: دس عدد

پستے: دس عدد

گرم پانی میں بھگو کر چھلکا اتار لیں اور باریک کاٹ لیں

چاندی کے ورق: چار عدد

اخروٹ کی گری: آٹھ یا دس دانے باریک کاٹ لیں

گھی: ایک پیالی

ترکیب۔

گاجروں کو کدوکش کر کے بھاپ دے لیں اور نچوڑ لیں، بالکل خشک کر لیں، پھر ایک دیگچی میں گھی گرم کر کے الائچی ڈال دیں۔ تھوڑی دیر بعد گاجریں اور دودھ ڈال کر آہستہ آہستہ بھونیں یہاں تک کہ براؤن ہونا شروع ہو جائے پھر چینی اور اخروٹ ڈال دیں، جب شیرا خشک ہونے لگے اور تار بننے لگے تو اتار کر ایک تھالی میں چکنائی لگا کر حلوہ پھیلا دیں اوپر سے میوہ ڈال دیں اور چاندی کے ورق سجا دیں۔ ٹھنڈا ہو جانے پر چوکور ٹکڑے کاٹ لیں۔

ٹھنڈی میٹھی
چھاؤں
رخ یعقوب

"ٹھنڈی میٹھی چھاؤں"

از۔رخ یعقوب۔

"ابو جی یہ دیکھیں آپ کی بیٹی کے کرتوت۔"فہد بھائی ایک دم چیختے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوتے ابو جی سے بول پڑے۔

"ابو جی اس نے اس خاندان کی عزت کا خیال نہ کیا"میری طرف ابو جی کو بڑھتے دیکھ کر فہد بھائی چلائے۔

" کیا ہوا میری بٹیا کیوں ایسے بیٹھی ہے؟"ابو جی نے فہد بھائی کی بات کو درا‏‏عتنا جانتے ہوئے رتی برابر اہمیت نہ دی۔

"ابو جی اس کے پاس سے یہ موبائیل فون برآمد ہوا ہے۔"فہد بھائی زہرخند لہجے میں بولے۔اور اس کی مارنے کی آگے لپکے لیکن ابو جی کے میرے آگے کھڑے ہونے کی بنا پر وہیں رک گئے۔اور میری امی پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور بولا۔۔۔

"یہ ہے آپ کی تربیت؟۔کالج گئے جمعہ جمعہ آٹھ دن نہ ہوئے اور لگی۔۔۔"اس سے پہلے کہ فہد بھائی پاس بیٹھیں حیران پریشان امی سے بات پوری کرتے ابو جی پلٹ کر ایک ایسی سرد نگاہ ڈالی کہ فہد بھائی کی زبان سخت طیش میں بھی تالو سے چپک کر رہ گئی۔

"ابو جی یہ۔۔یہ میری دوست کا ہے۔اس نے دیا تھا مجھے"میں گھگھیاتے ہوئے بولی۔

"ابو جی ایسا ایک فون پہلے بھی مجھے مل چکا ہے اس سے۔"فہد بھائی شدید غیظ وغضب میں سب راز کھولنے کو تیار کھڑے تھے۔

"ابو جی معاف کر دیں"میں کوئی راہ نہ پا کر ابو جی کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگی۔ساتھ ہی کئی واقعات آنکھوں آگے آ کر رقص کرنے لگے۔۔۔کہیں غیرت کے نام پر قتل ہوئی بیٹی۔

کہیں گلا کاٹ دیا اسی غیرت میں۔

گلا دبا کر اپنی غیرت کا جنازہ نکلنے سے روک دیا

کہیں زندہ جلا دیا۔

بیٹی کو موت دے کر غیرت کو حیات دے دی۔مختلف انداز اپنائے گئے۔۔۔۔باپ شفیق باپ نہ رہا۔

۔۔۔بھائی سایہ نہ رہا

ماں جلانے کے لئے سامان کرتی نظر آئی۔۔۔۔

مجھے میری موت میری آنکھوں کے سامنے ناچتی نظر آنے لگی۔ابلیس کا جھومتا رقص آنکھوں آگے دندنانے لگا۔ایسا محسوس ہوا کہ بنا کسی کے ہاتھ لگائے سانس ابھی سے سینے میں اٹک رہی۔دھڑ بے جان ہوتا محسوس ہوا۔

انہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ۔۔۔۔

ابو جی کی نرم محبت سے لبریز لیکن تنبیہی آواز میرے سر پر ہاتھ رکھ کر گونجی۔

"فہد میری بیٹی ایسا نہیں کر سکتی۔اگر وہ کہہ رہی ہے کہ یہ فون اس کی سہیلی کا ہے تو یہ فون اس کی سہیلی کا ہی ہے۔خبردار اگر کسی نے میری بیٹی کو اب کچھ کہا۔جاؤ بیٹا آپ پڑھو جا کر۔فہد ہاتھ کاٹ دوں گا اگر اب میری بیٹی کی طرف اٹھے تو"ابو جی کا یہ کہنا ایک دم میرے لئے تپتی تارکول کی سڑک پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے ایک دم ٹھنڈی رحم محبت کی بارش کی طرح محسوس ہوا جس نے برستی گرمی اور غضب کو منہ چھپا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔

شیطان کے ہنستے کھلے منہ پر ایسے زور کا تھپڑ پڑا کہ وہ بوکھلاہٹ میں یہ بھی بھول گیا ہو گا کہ یہاں سے جانا تھا۔کیونکہ وہ جو توقع کئے بیٹھا تھا کہ یہاں خون کی ہولی ہوتے دیکھے گا۔رشتوں کا تقدس اڑائے جانے کا تماشہ ہوتے دیکھنا تھا۔لیکن یہاں تو ایک شیطان کا روپ دھارنے کی بجائے شفقت کا بول بالا کر

ہوا۔

میرے ابو جی نے سب سے بڑے اور اکلوتے بیٹے کو جھاڑ کر ایسے رکھ دیا کہ جیسے اکلوتی بیٹی ھوں ان کی۔ جہاں بھائی اپنی بات کی سچائی کو ثابت نہ کر پائے۔ اور ابو جی کے غصے کی گرج برس سے جھاڑ دیئے گئے۔ شرمندہ ہوئے وہیں میں اسی شرمندگی کے بوجھ تلے ایسے دبی کہ تاعمر نہ اٹھ پائی۔ ابو جی کے اعتبار پیار شفقت ماں کی چھاؤں نے مجھے ایسے زیر بار کیا کہ تاحیات سر اٹھا نہ سکی اور اپنی نظروں کو وہ پاکیز کی عطا کی۔ اپنے جذبات کو وہ سچائی بخشی۔ ایسی سیدھی راہ کی جانب گامزن کیا جو صراط مستقیم کہلاتی۔ مجھے اس اعتبار کی لاج رکھنی تھی جو اس بوڑھے باپ کے ہاتھ کی لرزش میں تھی جب اس نے میرے سر کو اپنے بوڑھا ہاتھ سے ڈھانپا تھا۔ چھت مہیا کی تھی اپنے اعتماد کی۔ اس کی ثابت قدمی میں تاعمر محسوس کرتی رہی جو میں نے تب جانی جب بھائی کے الزامات کی بوچھاڑ کے باوجود میرے ابو جی کے آنکھوں سے چھلکتے ساتھ میں تھی۔

مجھے ان تمام الزامات کی تردید اپنے اعمال سے کرنی تھی۔

چنانچہ وہ الزامات سچ پر مبنی تھے۔۔

اینٹی
بائیوٹک
عدیلہ سلیم
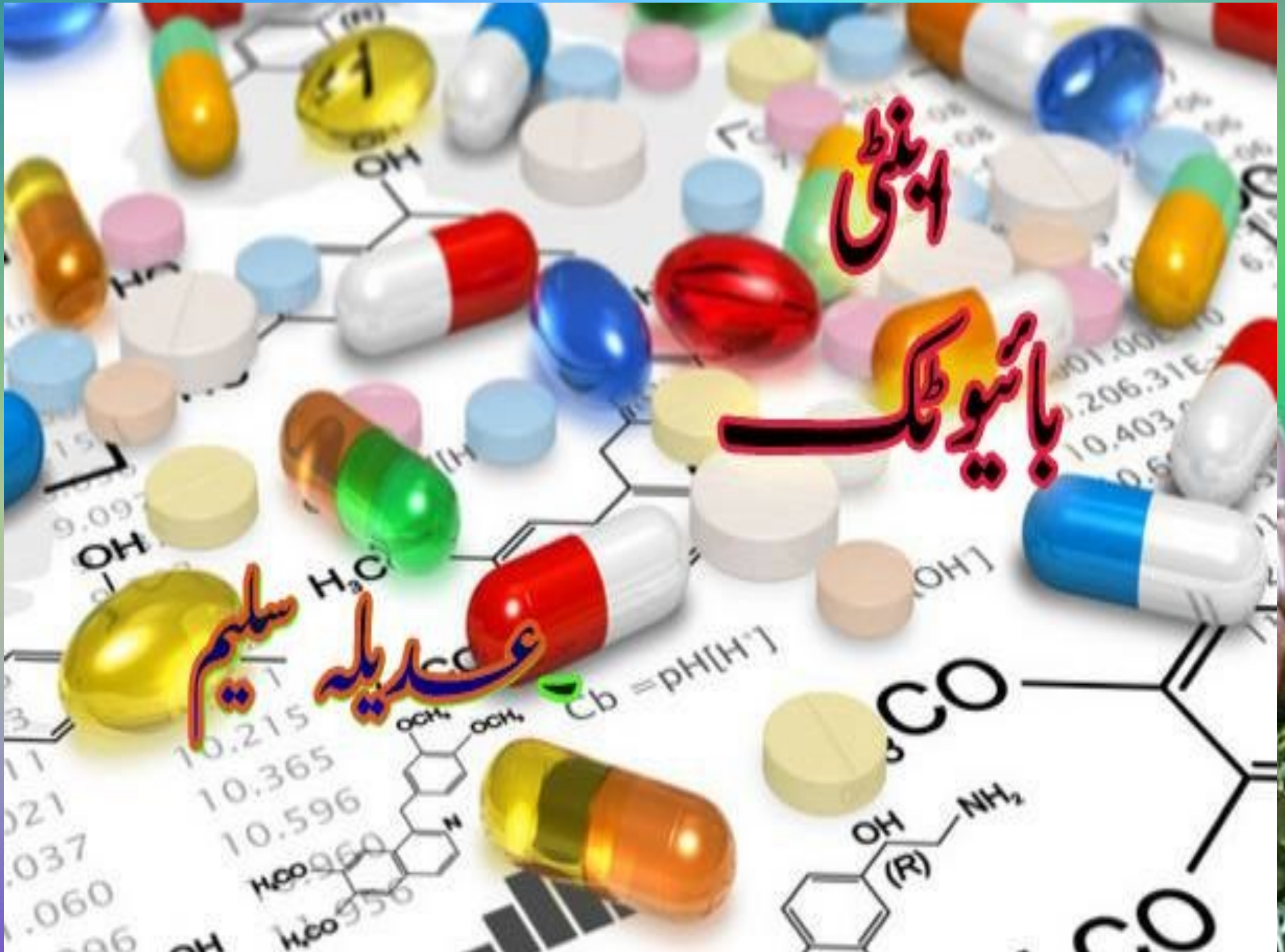
☆اینٹی بائیوٹکس☆

تحریر۔عدیلہ سلیم۔

ڈرگ فارماکولوجی کے مطابق ایک کیمیائی مادہ ہے، جو کسی بیماری کے علاج بچاؤ اور تشخیص کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ڈرگ ایسی کیمیائی شے ہے جس سے صحت پر مثبت اثرات مرتب ہونے کے ساتھ ساتھ بعض اوقات منفی اثرات پر بھی غور کیا گیا ہے جو کہ انسانی جسم کیلئے بھی نقصان دہ بھی ثابت ہوتا ہے ۔تاہم تقریبا 96 فیصد ادویات ایسی ہے جو فورا یا کچھ عرصے کے استعمال کے بعد انسانی صحت پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔

اینٹی بائیوٹکس کب غیر ضروری ہے؟

دنیا بھر میں کم از کم ایک کروڑ افراد کو روزانہ معمولی نزلہ، زکام اور ٹھنڈ کے اثرات کے سلسلے میں اینٹی بائیو ٹکس تجویز کی جاتی ہیں۔ حالانکہ نہ صرف عوام بلکہ معالجین کو بھی طبی تحقیق کے اداروں کی طرف سے بار ہا یاددہانی کرائی جاتی ہے کہ ان شکایات یا وائرس کے باعث پیدا ہونے والی دیگر بہت سی شکایات میں اینٹی بائیوٹکس کوئی فائدہ نہیں دیتی ۔ اس کے باوجود اینٹی بائیوٹکس کا ادھر اُدھر استعمال جاری ہے ۔اینٹی بائیوٹکس زیادہ تر فیملی ڈاکٹرز ہی تجویز کرتے ہیں جو کہ افسوسناک بات ہے۔ایک عالمی سروے سے معلوم ہوا کہ پچھلے بارہ ماہ کے دوران کم از کم 42 فیصد افراد فلو، گلے کی خرابی اور ٹھنڈ لگنے کی شکایات میں اینٹی بائیوٹکس استعمال کر چکے ہیں۔ یہ سب شکایات وائرس کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور ایک عام آدمی کو بھی معلوم ہے کہ اس سلسلے کہ اس سلسلے میں اینٹی بائیوٹکس موثر نہیں ہے، اس کے باوجود ڈاکٹرز بھی آنکھیں بند کر کے یہ تجویز کرتے رہتے ہیں۔اور ترقی پذیر ممالک جہاں ڈاکٹر کے نسخے کے بغیر بھی دوائیں مل جاتی ہیں۔عام لوگ خود کو اچھا خاصا معالج تصور کرتے ہوئے مختلف ادویات پھانک لیتے ہیں۔

شاید آپ کو معلوم نہ ہو کہ اگر بغیر سوچے سمجھے اس طرح اینٹی بائیوٹکس کا استعمال جاری رہے تو اوسطً 12 سال بعد ایک انسان پر اینٹی بائیوٹکس مکمل طور پر بے اثر ہو جاتی ہے۔

اینٹی بائیوٹکس کے مضر اثرات:

اینٹی بائیوٹکس ایک ایسی دوا ہے جس سے بیکٹیریا ہلاک ہو جاتے ہیں اور ان کی نشونما رک جاتی ہے ۔اینٹی بائیوٹکس ایسے کیمیکل ہوتے ہیں جو مائیکرو آرگنزم سے حاصل کی جاتی ہیں، ان اینٹی بائیوٹکس کو اینٹی وائرل اور اینٹی پیراسائیٹک کہتے ہیں۔سب سے پہلا اینٹی بائیوٹک 1928 میں الیگزینڈر فلیمنگ نے دریافت کیا جسے پنسیلین کہتے ہیں۔تشویشناک بات یہ ہے کہ ایسی اینٹی بائیوٹکس تیار کرنے کے سلسلے میں کوئی تحقیقی کام نہیں ہو رہا جو بیکٹیریا میں کوئی قوت و مدافعت پیدا نہ ہونے دے ۔دراصل نئی دوا کی تیاری کوئی آسان کام نہیں۔ایک نئی دوا کی تیاری کے سلسلے میں کم از کم ایک ارب پاؤنڈ خرچ ہوتے ہیں جو تحقیق اور تجربات پر لگتے ہیں۔ اینٹی بائیوٹکس کا کوئی ایسا متبادل تیار کیا جائے جس سے بیکٹیریا میں قوت و مدافعت پیدا نہ ہو، اس مقصد کے لیے روس میں ایک نئی تکنیک اختیار کی جا رہی ہے۔اس میں قدرتی وائرس کو ہلاک کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔یہ طریقہ phagetherapy کہلاتا ہے۔

ناول
عشق سنگِ مرمرسا
اقراءعابد

پیش لفظ

عشق جیسے لفظ پر قلم اٹھانا میری فہم وادراک سے بالاتر تھا ،عرصہ دراز سے یہ تحریر میرے دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں پنپتی تھی مگر میری ناقص عقل اس کو قرطاس پر بکھیرنے سے قاصر تھی۔

مگر کچھ تحاریر لکھی نہیں جاتی۔۔

شاید لکھوائی جاتی ہیں۔۔۔

عشق سنگِ مرمر سا میری ایک ایسی ہی تحریر ہے جیسے لکھنا میرے لئے آسان نہیں تھا کیونکہ کہانی کی بنت اور پلاٹ اور کردار میرے دماغ میں ہمیشہ الجھتے رہتے مجھے لگتا میں ان کے ساتھ انصاف نہیں کر پاؤں گی اور ابھی بھی ان کرداروں کے انصاف کی ذمہ داری میں آپ قارئین کو سونپتی ہوں کیونکہ آپ کی آراء میرے لئے زیادہ اہم ہے۔

محبت اور پیار جیسے الوہی جذبے ہم اپنے دل میں تقریباً اپنے تمام عزیز و اقارب کے لئے محسوس کرتے ہیں ،مگر عشق ایک وحی کی طرح دل پر اترتا ہے اور روح میں سمو جاتا ہے،انسان جب اس احساس سے سرشار ہونے لگتا ہے تو اُس کے اردگرد موجود ہر چیز نئے مطلب رکھنے لگتی ہے یا پھر اُس کی بصیرت نکھرنے لگتی ہے،وہ اِس پاک جذبے کی وحی جیسے جیسے پڑھنے لگتا ہے اُس کی روح خوبصورت تر ہونے لگتی ہے بلکل سنگِ مرمر کے خوبصورت پتھر کی مانند حسین اور شفاف،اور اُس کا قلب اُس پتھر کی مضبوطی چُرا لیتا ہے،پھر کوئی کچھ کہے اُسے فرق نہیں پڑتا وہ بس وہ چاپ جیتا رہتا ہے،اپنی آخری منزل کی تلاش میں پھر خواہ اِس خاردار رستے پر چلتے اس کے پاؤں لہولہان ہوں اُسے پرواہ نہیں ہوتی ،وہ اپنی لاحاصل کسک کے ساتھ جیتا ضرور ہے لیکن جو وہ حاصل کرتا ہے وہ اُس سے کہیں زیادہ ہوتا جس کی کبھی اُس نے تمنا کی ہوتی ہے۔

مایوسیوں کی بجائے جب وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ جو تیری چاہت وہی میری چاہت تو رب کریم کی ذات اُسے تہی داماں نہیں لوٹنے دیتی۔۔

یہی میرے اِس ناول کا تھیم ہے۔۔

آخر میں میں ست رنگ آن لائن میگزین کی ہیڈ پیاری عدیلہ آپی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی اور ہر اُس انسان کا جس نے مجھے یہ کہانی لکھنے اور مکمل کرنے پر اکسایا اور میری مدد کرنے والی ست رنگ کی پوری ٹیم اور خاص طور پر ست رنگ میگزین کا جس کے رنگیلے صفحوں نے اس تحریر کے رنگوں کو نکھار بخشا۔۔

اقراء عابد۔۔

ناول۔عشقِ سنگِ مرمر سا (پہلی قسط)

از۔۔اقراء عابد

بہت دنوں کے بعد آج موسم کچھ خوشگوار ہوا تھا شدید گرمی اور حبس کے موسم میں جب اچانک موسلا دھار بارش ہونے لگی تو لوگ یونہی سڑکوں پر نکل آئے تھے۔۔یہی وجہ تھی کہ آج معمول سے زیادہ رش تھا سڑکوں پر۔۔فلک پر کبھی بادل اذیتوں کا گھنا سایہ کردیتے جیسے کوئی کپاس سے بھرے کھیت میں ہر طرف دھواں بھر دے۔۔تو کبھی گندم کی کھنکناتی فصل کی مانند سورج اپنی کرنیوں کی روشنیاں زمین پر پھینکنے لگتا۔ یہ آنکھ مچولی کا کھیل آج صبح صادق سے جاری تھا۔۔۔

"یار تجھے بھی آج ہی چلنا تھا۔۔حد ہوگئی میں نے منع بھی کیا تھا کہ آج موسم ٹھیک نہیں ہے سفر نہیں کرتے آج مگر نہیں تم پر تو ایک چیز کا جیسے جنون سوار ہو جاتا ہے"۔۔ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے پر کوئی اثر نہ ہوا تھا، جو شکل سے بہت سنجیدہ نظر آرہا تھا مگر ویسے کوئی اٹھارہ کے قریب اس کی عمر لگ رہی تھی کیونکہ اس کی داڑھی مونچھ بھی ابھی مکمل نہیں آئی تھی۔وہ شاید کہیں گم تھا، دور کہیں بہت دور۔۔

"یہ۔۔ایڈ۔۔ایڈریس۔۔۔لے لو۔۔بیٹا تُو۔۔تم۔۔وا۔۔وہا۔۔آں"۔۔وہ پہلے ہی بہت اُکھڑی ہوئی سانسوں سے اپنے فقرے ادا کر رہی تھیں اب سانسیں مزید اُکھڑنے لگی۔۔وہ ریسپشن کی طرف بھاگا، "نرس۔۔۔نرس۔۔ڈاکٹر۔۔میری مام۔۔پلیز سیو ہر" ڈاکٹر اور نرسیز اُس کے ساتھ بھاگیں مگر اُن کی اُکھڑی سانسیں اب سکون میں تھیں اور وہ گہری نیند سو چکی تھیں۔۔"سوری شی از نو مور" (معذرت وہ اب نہیں ہیں)۔۔ڈاکٹر کی آواز اُس کے کانوں میں بار بار گونج رہی تھی وہ کب سے آوازیں لگا رہا تھا، مگر جواب ندارد "سن نا یار۔۔سن نا۔۔ رازی۔" رازن۔۔اب اُس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے پکارا تو وہ چونکا تھا۔۔۔

"ہاں، یار عمی سوری مجھے دھیان نہیں رہا کیا کہہ رہا تھا تو"۔۔رازن نے گردن گھما کہ عماد کی طرف دیکھا تو اُسے لب بھینچے پایا۔۔

"یہ کیا یار بارش کے موسم میں بھی پسینہ آ رہا ہے تجھے، مگر کیوں" عماد کے لہجے میں فکرمندی کے تاثرات تھے۔۔۔

اُس نے " کچھ نہیں پر اکتفا کیا" مگر عماد جانتا تھا وہ پریشان ہو رہا ہے۔۔

"یار کیوں ٹینشن لے رہا ہے۔۔ایوری تھنگ ول بی فائن، بیلوی می" (سب ٹھیک ہو جائے گا میرا یقین کرو)۔۔عماد نے اُسے تسلی دی۔۔

"بس یار مام کا خیال آ گیا تھا، ایم فائن ناؤ" (اب میں ٹھیک ہوں) اُسے پتا تھا اُس کا دوست اُس کی کتنی پرواہ کرتا ہے جب تک اُسے اپنی پریشانی بتا نہیں دے گا تب تک وہ ایسی ہی باتیں کرتا رہے گا۔۔ اور وہ اس وقت خاموش رہنا چاہتا تھا۔۔

اِس سے پہلے کہ عماد کچھ مزید بولتا اُس نے اپنے اندر کے شور کو دبانے کی کوشش میں گاڑی کی سپیڈ کے ساتھ میوزک کا والیم بھی بڑھا دیا، جہاں جینی فرلوپز کا آن دا فلور پورے زور وشور سے بجنے لگا۔۔۔اُسے اسلام آباد سے لاہور تک کے گاؤں کا سفر ایسے ہی ابر آلود موسم کے ساتھ کرنا تھا۔۔بس آدھا گھنٹہ اور۔۔وہ زیرِ لب خود سے گویا ہوا، اب کی بار عماد خاموش بیٹھا رہا۔۔

"چھوٹی بی بی سرکار اتنے زور سے مینہ ورنے لگا ہے، آج صبح سے ہی یہ حال ہے کبھی مینہ ورنے لگ پڑتا کبھی دُھپ (دھوپ) نکل آتی ہے یہ ساون بھادوں کا موسم ہی ایسا ہوتا ہے، اسی واسطے میں منع کر رہی تھی، وڈے نواب صاب بھی ناراض ہوویں گے کہ کیوں ایسے موسم میں آپ کو لے کر گئی، تو کیا جواب دوں گی، کب سے اسی چھپڑے کے نیچے کھڑی ہیں ہم جو زیادہ با چھڑ ہم پہ گراتا ہے کم بخت کہیں کا"

قیصر آرا نوابوں کی حویلی کی خاص ملازمہ تھی یہی وجہ تھی کہ جب بھی چھوٹی بی بی کو ایسا کوئی الٹا سیدھا کام کرنا ہوتا وہ اُسی کو ساتھ گھسیٹ لاتی کیونکہ جواب طلبی تو قیصر آرا سے ہوگی، آج بھی اُس نے ضد لگا رکھی تھی کہ "مجھے پیڑ سے توڑ کر آم کھانا ہے" حالانکہ قیصر آرا نے کتنا منع کیا تھا کہ چھوٹی بی بی سرکار میں آپ کو یہیں منگوا دیتی ہو مگر وہ جو ٹھان لیتی تھی وہ کر کہ دم لیتی تھی پھر چاہے اُس کا نقصان ہو یا فائدہ۔۔

اب کی بار اُس کی بی بی سرکار نے چہرے سے کالی چادر کا ہلکا سا نقاب جو بنا رکھا تھا وہ ہٹایا کیونکہ آس پاس کوئی نہ تھا اُن دونوں کے علاوہ، وہ قیصر آرا کی طرف چہرہ کر کہ بولنے لگی، وہ جب بھی باہر آتی تھی اپنا منہ یونہی لپیٹ لیا کرتی تھی تا کہ کوئی پہچان نہ لے مگر سب جانتے تھے وہ بڑے نواب کی اکلوتی نواسی ہے تو سب نظریں جھکا دیتے تھے، وہ بہت نازک سی تھی جیسے کوئی کانچ کی گڑیا ہو کہ ہاتھ لگائے تو ٹوٹ جائے، اس کا رنگ اسقدر سفید تھا جیسے سنگِ مرمر ہو اور صرف رنگ نہیں اندر سے بھی وہ سنگِ مرمر سی مضبوط تھی مجال ہے جو اپنے آس پاس کسی کو بھٹکنے بھی دیتی پنکھڑیوں سے ہونٹ اور اُن کا کٹاؤ بہت خوبصورت تھا مگر اُس کٹاؤ کے بالکل اوپر ذرا سا دائیں طرف جو تل تھا وہ بہت جان لیوا حد تک حسین تھا۔۔ ستواں اور چھوٹی سی ناک اور نشیلی آنکھیں اُس کے حسن کو جلا بخشتی تھیں، غرضیکہ وہ مکمل حسنِ آئینہ تھی۔۔

"یہ بارش بھی ایسے لگ رہی ہے کہ جیسے کوئی اپنے محبوب کے غم میں زار و قطار رو رہا ہو اور وہ اچانک کہیں سے سامنے آجائے تو ہر سو اجالا سا ہو جائے سب کچھ چمکنے لگے، مگر جب اُس کے قریب جاؤ تو وہ جھپ سے غائب ہو جائے، اور پھر سے وہی آہ و زاریاں شروع ہو جائیں"۔۔ وہ جب بھی ایسی مشکل مشکل باتیں بولتی تو قیصرہ خاموش رہتی تھی کیونکہ وہ اُس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں۔۔

"چھوٹی بی بی سرکار میں حویلی جا کر کہتی ہوں شرافت خان کو کہ وہ جیپ لے کر آئے اور آپ کو لے جائے ادھر سے، آپ رُکنا ادھر ہی۔۔ قیصر آرا کو لگا کہ اگر وہ ادھر ہی کھڑی رہیں تو شام ادھر ہی نہ ڈھل جائے کیونکہ اُسے بڑے نواب کا ڈر بھی تھا۔۔ وہ یہ کہہ کر رُکی نہیں بھاگنے کے انداز میں وہاں سے نکل گئی۔ وہ بارش میں بھیگنے سے بچنے کے لئے ایک بند دکان کے اوپر بنے ہوئے لوہے کی چھجے کے نیچے کھڑی تھی مگر پھر بھی وہ آدھی سے زیادہ بھیگ چکی تھی، بارش کے باعث سب گاؤں والے اپنے اپنے گھروں میں تھے سوائے چند بچوں کے جو بارش میں نہانے کے اور کھیلنے کے مزے لے رہے تھے۔ اور وہ جہاں کھڑی تھی وہ دُکان گاؤں کی آبادی سے ذرا آگے تھی وہ جو کھیتوں میں جانے کیلئے گھر سے نکلی تھی اب قیصر آرا کے جانے کے بعد اپنا سر پیٹنے لگی۔۔

"میرا بھی دماغ چل گیا تھا یوں اُٹھ کہ چل پڑی، اب قیصرہ آپا بھی چلی گئی نا جانے کب تک یہاں اکیلے کھڑا ہونا پڑے گا" خود کلامی کرتے ہوئے اُس نے جھرجھری لی اور اپنے بازو سینے پر سمیٹنے لگی اب اُسے تنہا خوف آ رہا تھا۔ اسی اثنا میں ایک کالے رنگ کی کار اُس کے بالکل سامنے آ رکی۔۔ اور وہ مزید سہم گئی۔

"جب سے اس گاؤں میں داخل ہوئے ہیں یہ پہلی لڑکی نظر آئی ہے چل عمی اتر کر کہ جا اور یہ ایڈریس پوچھ آ اُس سے"۔۔ رازن نے ایڈریس والا صفحہ عماد کی طرف بڑھا دیا۔۔

"بھئی تو نے جانا ہے تو جا مجھے تو لگ رہا ہے جیسے کوئی چڑیل راستہ بھٹک گئی ہو میں تو نہیں چاہتا تیری ہونے والی بھابھی سرخ جوڑا پہننے سے پہلے ہی بیوہ ہو جائے"۔ عماد نے ونڈ سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے سر تا پاؤں باہر کھڑے سراپے کا جائزہ لیا اور پھر دونوں ہاتھ کھڑے کر کہ جھکتے ہوئے بولا۔۔

"او کے، یہیں مرا رہ تو، میں ہی جاتا ہوں"۔ رازن جانتا تھا اُس کا دوست ازلی ڈرپوک تھا۔ اس نے پچھلی سیٹ پر پڑی چھتری اٹھائی اور خود ہی گاڑی سے نکل آیا۔۔

"ایکسکیوزمی، پلیز یہ ایڈریس سمجھا دیں، وی آر آوٹ سائیڈرز اینڈ فرسٹ ٹائم کم ہیر (ہم باہر سے آئے ہیں اور یہاں پہلی دفعہ آئے ہیں)"۔ وہ اُس کے عین سامنے کھڑا اُس سے ایڈریس کے بارے

میں پوچھ رہا تھا جبکہ وہ ارد گرد بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔۔

"ہیلو، میں آپ سے بات کر رہا ہوں محترمہ آر یولیسننگ (کیا آپ سن رہی ہیں)" رازن نے اُس کا چہرے کے آگے چٹکی بجائی تو اُس نے چہرہ سیدھا کیا۔۔

" کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ، حد ہوتی ہے بیوقوفی کی ایک بندہ بات نہیں کرنا چاہتا تو کیا اُس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں ہونہہ یہ سارے شہری لوگ ہوتے ہی جاہل ہیں عقل تو جیسے گھاس چرنے نکلی ہوتی ہے انکی بات بے بات ڈھنگ ڈھونڈتے ہیں واقفیت بڑھانے کی۔۔اب آپ جناب کو ہی دیکھ لیجئے خوامخواہ ہی اوپر چڑھے جا رہے ہو، سوٹ بوٹ پہن کر پٹر پٹر انگریزی بول کہ کیا لگتا ہے آپ کو کہ ساری دنیا آپ کی غلام ہو گئی ہے جائیے اپنا رستہ ناپیں، اور۔۔آئیندہ۔۔" وہ جو بولنے پر آئی تو ساری بھڑاس اُس پر نکال دی، ابھی نا جانے کیا کچھ بولتی اس سے پہلے رازن نے اُس کی بات کاٹ دی۔۔

"آئیندہ؟؟ کیا آئیندہ؟؟ دھمکی کسی سور کو دینا جا کر، پاگل، کاٹنے کو دوڑ رہی ہے عجیب شے ہے" اُس نے بھی اُسے لتاڑا۔۔

" کیا کہا پاگل ہوں گے آپ، میں پاگل نہیں، آئی سمجھ؟؟ اب جائیں یہاں سے پہلے ہی میں بہت پریشان ہوں، مزید پریشان مت کریئے"۔اس لڑکی نے رازن کو اب باقاعدہ اپنی کاجل بھری نشیلی آنکھیں پورے زور سے کھول کر گھورا تھا۔

"آپ پریشان ہیں تو کیا پوری دنیا کو کر دیں گی؟؟" وہ بھی اب مقابلے پر اتر آیا۔

"آپ پوری دنیا نہیں ہیں بلکہ آپ، آپ چیکو ہیں، جان چھوڑیئے"۔اس نے اُسے نئے خطاب سے نوازا۔

"آپ پاگل خانے سے دوڑی ہوئی لگتی ہیں، آئیں میں آپ کو چھوڑ آؤں"۔ اُسے سچ میں یہی لگ رہا تھا

"اچھا؟؟ تو آپ آوارہ خانے سے بھاگے لگ رہے ہیں"۔وہ بھی کم نہ تھی

"میں تمھارا منہ "۔۔رازن نے شدید غصے سے ہتھیلی کا مکا ہوا میں لہرایا مگر وہ پیچھے سے کسی کی گرفت میں آ گیا۔رازن نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک شخص شدید غصے کے عالم میں وہاں کھڑا تھا۔

" کون ہو؟ نواب طالش کے گھر کی عزت کو دیکھ کر لوگ نظر جھکا لیتے ہو اور تم ہماری نواسی پر ہاتھ اٹھانے کی جرات کیسے کر گئے"۔۔انہوں نے گرجدار آواز میں کہا اب عماد بھی گاڑی سے نکل کر وہاں آ گیا تھا

"وہ انکل ہم آپ کے گاؤں میں مہمان ہیں"۔۔اس سے پہلے کہ رازن بولتا عماد جلدی سے بولا

"مہمان؟؟ کس کے؟؟ کہاں رکے ہو ذرا ہم بھی تو جانیں کس کم ذات کی اتنی مجال ہو گئی"۔اب انہوں نے رازن کا ہاتھ جھٹک دیا تھا

"وہ انکل ہمیں اس پتے پر جانا تھا مگر یہ محترمہ بتا ہی نہیں رہی تھیں اور میں عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا کبھی بھی وہ تو اپنے غصے کو قابو میں کر رہا تھا آپ کی نواسی بہت زبان دراز ہیں ویسے"۔۔رازن نے ایڈریس والا صفحہ آگے کرتے ہوئے اُس لڑکی کی طرف گردن موڑ کر ایک نظر دیکھا اور پھر سامنے کھڑے شخص سے اس کی نواسی کی برائی کرنے لگا۔

" بکواس بند کرو۔۔ریاض دین میری بندوق لا جیپ سے ابھی گاڑھ دوں گا اس کمینے کو"۔۔انہوں نے پیچھے کھڑے ڈرائیور کو حکم جاری کیا۔

"نن۔۔نہیں۔۔نہیں نواب صاحب۔۔وہ یہ تو بے وقوف ہے پاگل ہے منہ پھٹ ہے اب اب یہ نہیں بولے گا، ہم آپ کے مہمان ہیں، آپ ایسا مت کریں ورنہ آپ کی مہمان نوازی پر دھبہ لگ جائے گا "۔۔عماد نے رازن کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور نواب صاحب سے خود بات کرنے لگا۔۔

"بتاؤ کدھر جانا ہے میرا ڈرائیور رستہ بتا دے گا، اب دفعہ ہو جاؤ، آپ چلئے"ے۔۔نواب طالش نے لڑکی کو بازو سے تھاما اور کھینچنے کے انداز میں جیپ کی طرف بڑھ گئے۔

"بڑے نواب صاب۔۔وہ،وہ تو جی"۔۔ڈرائیور نواب صاحب کے پاس فرنٹ سیٹ کا شیشہ نیچے کروا چکا تھا مگر اب کشمکش میں تھا لڑکی سہمی سی پیچھے ہچکیاں بھر رہی تھی

" کیا ہوا ریاض دین چلو بیٹھو حویلی چلیں "۔۔انہوں نے ڈرائیور کی طرف چہرہ کیے بغیر ہی حکم دیا۔۔

"جی بڑے نواب ،مگر وہ تو جی حویلی کے مہمان ہیں "۔۔اب ہمت کر کے ریاض دین نے بتا ہی دیا

" کیا بکواس کر رہے ہو ریاض دین"۔۔نواب صاحب چلائے

"جی بڑے نواب صاب وہ چھوٹے نواب کے مہمان ہیں"۔ڈرائیور نے بتایا

" مگر کس سلسلے میں "۔۔اب لہجے میں کچھ نرمی تھی

"وہ جی سکول کا پتا پوچھ رہے ہیں ،مگر میں انہیں وہیں کھڑے رہنے کا کہہ کر آیا ہوں ،آپ حکم کیجیے"۔۔ ڈرائیور منتظر نظر آیا

"ہوں۔۔انہیں کہو ہماری جیپ کے پیچھے گاڑی لگا لیں"۔۔اب نواب طلال شیشہ بٹن دبا کر اوپر کر چکے تھے۔

شام اپنے پر پوری طرح پھیلا چکی تھی فتح پور مکمل خاموشی اور سناٹے میں ڈوب چکا تھا۔۔پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف بڑھ بڑھ رہے تھے آسمان پر ابھی بھی ہلکے ملگجی اور سرمئی بادل اپنا غبار نکالنے کو کسی فوج کی مانند تیار کھڑے تھے جیسے صرف حکم کا انتظار ہو۔۔اس گاؤں میں عجیب سی کسک تھی جیسے کوئی کمی ہو کہیں۔۔اس گاؤں کی فضاء ایسی تھی جیسے لوگوں کے اپنے سانسوں کی گرمائش ہی اُن کو پگھلا رہی ہو۔۔ یہ صرف عام لوگوں کی سانسوں کی بات نہیں تھی بلکہ ان قاتلانہ قسم کی سانسوں میں نوابوں کی حویلی کی سانسوں کا حصہ بھی شامل تھا۔۔

اُداس شام اور انسان کا بھی آپس میں بڑا گہرا ربط ہے،کیونکہ انسانوں کی دنیا میں تمام حقیقتیں شام کے بعد ہی وا ہوتی ہیں ،ایسی ہی ایک اُداس شام اُس کی زندگی میں آئی تھی جو اِس بڑی سی خوبصورت حویلی کے بے حد حسین لان میں بیٹھا تھا۔۔اس لان کو دیکھتے ہی اندازا ہو رہا تھا کہ جیسے کسی بہت ہی ہنر مند ہاتھوں نے اس کی زیبائش وآرائش کی ہے۔۔چاروں طرف کناروں پر مختلف پھلوں کے درخت لگے تھے کینو،لیموں اور جامن کے اور کچھ ایسے ہی درخت اور رنگ برنگے پھولوں کی کیاریاں تھی ،زمین پر بہت خوبصورتی سے گھاس کو سنوارا گیا تھا،درمیان میں خوبصورت سا شاور ہلکا ہلکا آسمانی اور سفید رنگا شفاف سا پانی ہمہ وقت اوپر سے نیچے کو گراتا رہتا اُس کے اردگرد بہت قیمتی پتھروں سے سجاوٹ کی ہوئی تھی ،دائیں طرف لکڑی سے بنی ہوئی چھ کرسیاں اور درمیان میں خوبصورت سا میز پڑا تھا،انہیں میں سے ایک کرسی پر وہ بیٹھا اسی اُداس شام کا حصہ لگ رہا تھا۔۔جب اُسے اپنے دل کی دنیا آباد ہوتی نظر آئی تھی اور وہ اُداس شام اُس کی زندگی خوشیوں سے بھر گئی تھی مگر ایسی ہی ایک اُداس شام نے اُس سے سب کچھ چھین لیا تھا اُس کی خوشیاں اُس کی زندگی اُس کا سکھ چین حتی کہ اُس کی سانسیں بھی۔۔ ہر روز کی طرح وہ آج بھی لان میں دنیا و مافیا سے انجان اپنی یادوں کی پٹاری کھولے بیٹھا تھا۔۔چند فاصلے پر اُس نے جیپ کو گیٹ سے داخل ہوتے دیکھا مگر اُس کے پیچھے ہی ایک سیاہ رنگ کی گاڑی بھی داخل ہوئی تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔۔

جیپ سے ایک قریباً ستر سالہ آدمی نکلا جس کی پرسنالٹی اتنی باوقار تھی کہ اپنی عمر سے دس سال چھوٹا ہی لگتا تھا انہوں نے کریم رنگ کا قمیض شلوار اور اوپر ہلکے سنہری رنگ کی واسکٹ پہن رکھی تھی کندھوں پر نہائت نفیس کامدار چادر پھیلا رکھی تھی جبکہ پاؤں میں خوبصورت کامدار کُھسہ پہن رکھا تھا ہاتھ میں چھڑی پکڑ رکھی تھی مگر پھر بھی اُن کی چال میں ایک غرور اور تمکنت سی تھی ،نوجوانوں والی کھنک سی تھی ، ایک

نو جوان لڑکی اور ڈرائیور نکلا۔۔ جبکہ کار سے دونو جوان لڑکے نکلے تھے۔ وہ ابھی بیٹھا شش و پنج میں ہی تھا کہ وہ آدمی آگے بڑھا اور لڑکوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا جبکہ وہ لڑکی بڑی سی حویلی کے اندر گھس گئی۔۔

"اسلام علیکم۔۔ بابا سرکار آپ کدھر گئے تھے اتنے خراب موسم میں، اور یہ" اپنی نشست چھوڑ کر باپ کو سلام کرتے ہوئے اُن کا اشارہ شاید اُس لڑکی کی طرف تھا جو حویلی کے اندر گھس گئی تھی

"وعلیکم السلام۔۔ بیٹا میں بس یونہی ذرا کھیتوں کی طرف نکل گیا تھا کہ رستے میں آپ کے مہمان مل گئے"۔۔ انہوں نے پیچھے کھڑے لڑکوں کی طرف اشارہ کیا

"یہ ہیں نواب یشرح عالم یعنی نواب طالش عالم کے بیٹے اور میں ان کا باپ ہوں، اور جس سکول کا پتا آپ پوچھ رہے تھے یہ وہاں کے مالک بھی ہیں اور پرنسپل بھی، یشرح بیٹا یہ بچے آپ سے ملنا چاہتے تھے تو میں ان کو یہاں لے آیا، سکول کا پتا پوچھ رہے تھے مگر اس وقت سکول بند ہوگا جب میں نے بتایا تو کہنے لگے ہم اسلام آباد سے آئے ہیں آج ہی ملنا ضروری ہے تو میں اِن کو حویلی لے آیا"۔۔ رعب دار آواز سے بڑے نواب سائیں نے ان کا تعارف کروایا۔ تعارف کے بعد دونوں لڑکوں نے آگے بڑھ کر اُن سے ہاتھ ملایا اور سب وہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔۔

"اچھا بیٹا ہم ذرا آرام کرلیں تھک گئے ہیں تھوڑ آپ کے لئے چائے کا انتظام کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں اندر، آپ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھو موسم کچھ ٹھیک نہیں ہے"۔۔ وہ یشرح چوہدری کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اندر کی طرف چل دیئے۔۔

"سر میرا نام رازن ارسلان ہے اور یہ میرا دوست ہے عماد شہزاد، اصل میں انکل ہم آپ سے"۔۔ اس سے پہلے کہ رازن کچھ بات کرتا اکرم چچا کے آنے سے کچھ خاموش ہوگیا۔۔

چھوٹے نواب ڈرائینگ روم میں چائے لگا دی گئی ہے۔۔ کرم دین نے اطلاع دی

"ٹھیک ہے اکرم چچا آپ چلیے ہم آتے ہیں"۔۔ بے حد نرم اور مٹھاس سے بھرپور لہجہ رازان کے ذہن پر اس لہجے کی ایک جھلک سی گزری۔۔

"چلیئے پہلے کچھ نوش فرمالیجئے آپ لوگ اتنے لمبے سفر سے آئے ہیں کچھ ریسٹ کرلیجئے پھر باتیں تو ہوتی رہے گی"۔۔ چھوٹے نواب اپنے کندھوں پر لٹکتی سیاہ چادر کو سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، وہ چادر کبھی اُن کے کندھوں سے جدا نہیں ہوتی تھی، دونوں لڑکے بھی اُن کی تقلید میں چل دیئے

گھڑی کی سوئیاں رات کے دو بجنے کا بین کرنے لگیں تو ایک ماں کا کلیجہ اور بھی بڑی طرح کٹنے لگا۔۔

سنیئے۔۔ اٹھیے۔ اُٹھ جائیے نا خدا کے لئے۔۔ پاس سوتے شوہر کو جھنجوڑ کر بلانے سے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔۔

"اونہہ ہو، ایک تو یہ عورتوں کی نحوست بھی وبالِ جان ہی بنی رہتی ہے، ارے کیا مصیبت آگئی، دو گھڑی چین بھی نہیں لینے دیتی کمبخت"۔ گرج دار آواز سے وہ ڈری ضرور مگر پریشانی ایسی تھی کہ اُن سے رہا نہیں گیا۔۔

"وہ جی وہ نواب سائیں وہ ابھی تک عباس نہیں آیا وہ کبھی اتنی دیر نہیں لگاتا، جتنا بھی کام ہو بارہ بجے سے پہلے گھر پہنچ جاتا ہے اور اب دیکھیے نا دو بج گئے اور اُس کا کچھ علم نہیں، آپ پتا کیوں نہیں کرتے، میرا دل ہولے جا رہا ہے"۔۔ فرحین بیگم کی بے تابی دیکھ کر انہوں نے موبائل دراز پر سے اٹھا اور عباس کا نمبر ملایا مگر جواب ندارد۔۔

"وہ شہر گیا ہے آج نہیں آئے گا مجھے یاد نہیں رہا تجھے بتانے کا، اب سو جا خدا کے لئے مجھے بھی سونے دے" ٹھک سے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر فرحین بیگم کے آگے کیا تو وہ ڈر کہ بیڈ کے کراؤن کے ساتھ لگ گیئں مگر وہ چادر تان کر پھر سے سو گئے۔ مگر اُن کا دل ابھی بھی مطمئن نہیں ہوا تھا وہ ایسے ہی جاگتی

رہیں۔۔

"عورت کو نحوست جاننے والو تمہیں کیا معلوم عورت کس شے کا نام ہے، یہ وہ سانچہ ہے جسے جس طرف ڈھالو گے ڈھل جائے گا، مگر جب بات اُس کی ممتا پہ آئے گی تو وہ کسی کا لحاظ نہیں رکھے گی نہ عورت ہونے کا نہ ہی کسی وفا کا نہ ہی مرجانے کا نہ ہی ماردینے کا، وہ گدر ہے تو شیرنی بن جائے گی، وہ پاکیزہ ہے تو وحشہ بن جائے گی، وہ محبت ہے تو فنا کر جائے گی، اس لئے بچو اُس دن سے جب ایک عورت، عورت نہ رہے صرف ماں بن جائے"۔ زیرِلب بڑبڑاتے ہوئے اس وقت اُن کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھی اور وہ سامنے کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

سورج کی کرنیں دھرتی پر پھیلتی جارہی تھی صبح کا منظر بھی ایسا ہوتا ہے کہ جیسے کوئی لمبی ہجر کی رات کاٹ کر ملتا ہے کبھی نہ جدا ہونے کے لئے یہ جانتے ہوئے بھی کہ جدائی اُن کا مقدر ہے پھر بھی وہ خود کو فریب دیتے ہیں، مگر محبت اور عشق میں تو سب جائز ہوتا ہے نا حتی کہ دھوکہ بھی۔۔ اور دھوکہ تو فتح پور کی نس نس میں پھیلا ہوا تھا۔

"دھوکہ؟؟ کونسا دھوکہ؟؟ ایسی بات نہیں ہم نے آپ کو یا آپ کی ماما کو کبھی کوئی دھوکہ نہیں دیا۔۔ بیٹا وہ سکول تو۔۔ وہ تو امانت ہے میرے پاس، میں نے آج سے بیس سال پہلے خود سے عہد کیا تھا کہ اپنی آخری سانس بھی اس سکول پر وار دوں گا اور آپ اس کو دھوکہ بول رہے ہیں یہ سہی نہیں ہے، مالک آپ ہو اور آپ ہی رہو گے مگر بیٹا مجھے اُس سکول سے علیحدہ مت کیجئے، وہ میری پوری زندگی کا سرمایہ ہے اور میرے جینے کا واحد سہارا، پلیز میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں" نواب یشرح عالم کے ہاتھ جو کبھی کسی کے آگے نہیں جوڑے تھے وہ آج اُس چھٹا نک بھر کے بچے کے آگے جوڑ بیٹھے تھے۔

"او ہ نہیں نہیں انکل آپ پلیز ایسا نہ کریں میں تو بس اپنا حق مانگ رہا ہوں میرا اب اس دنیا میں کوئی نہیں ہے مجھے اپنا سہارا خود ہی بننا ہے اور ماما کی ڈیتھ نے مجھے اندر تک توڑ کر رکھ دیا ہے"۔۔ رازن اور نواب یشرح ناشتے کے بعد سے ڈرائینگ روم میں سر جوڑے بیٹھے تھے۔ مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ نواب یشرح کروڑوں کی جائیداد کا مالک تھا اور اِس حویلی میں بھی عیش وعشرت کی کوئی کمی نہیں لگی اُسے مگر ایک معمولی سے سکول کے لئے انہوں نے اُس کے آگے ہاتھ کیوں جوڑ دیئے۔

"بیٹا آپ ایسا نہ سوچیں ہم ابھی زندہ ہیں، آپ یہیں رہو ہمارے پاس اور آپ کا حق آپ ہی کا رہے گا مگر اُس سکول کو ہٹا کر وہاں کوئی پلازہ بنانا یہ میں آپ کو کبھی نہیں کرنے دے سکتا۔ اور اُس سکول میں غریب بچوں کو فری تعلیم دی جاتی ہے گاؤں میں یہ واحد سکول ہے غریبوں کے بچے کدھر جائیں گے۔ آپ کو جو چاہیے میں آپ کو دوں گا آپ پہلے اپنی تعلیم کے متعلق سوچیئے پھر کمانے کا" نواب یشرح نے اپنے چشمے اتار کر اُن کو رُمال سے صاف کیا اور آنکھیں بھی رگڑیں اور چشمہ پھر سے لگا لیا۔۔

" مگر انکل میں یہاں کہاں رہوں گا اور تعلیم پیسے کے بنا مکمل نہیں ہوسکتی، ماما کی خواہش تھی کہ میں ایم بی بی ایس کی پڑھائی کروں مگر مجھ سے تو ایف ایس سی مکمل نہیں ہوئی ابھی کیونکہ اُس کے لئے میرے پاس اکیڈمیز کی فیسیز نہیں ہیں، اسی لئے سوچا کہ سکول کی جگہ پلازہ ٹھیک رہے گا، آس پاس کے گاؤں والوں کو شہر بھی دور پڑتا ہے اور کچھ کاروبار بھی کرلوں گا"۔ رازن کچھ سوچ کے آیا تھا مگر اب معاملہ کسی اور طرف جارہا تھا۔۔

"دیکھو بیٹا یہاں اس حویلی میں بہت جگہ ہے مہمان خانہ خالی پڑا ہے وہاں رہ لو چاہے اور اگر نہیں تو میں حویلی میں ہی کوئی کمرہ آپ کے لئے سیٹ کروادیتا ہوں، اور آپ کی تعلیم کی ساری ذمہ داری آج سے میری، آپ کو اپنی ماما کا خواب ضرور پورا کرنا ہوگا"۔ آخری بات کہتے ہوئے اُن کا گلہ رندھنے لگا تو وہ خاموش ہوگئے۔۔

"میں اس حویلی میں کیسے رہ سکتا ہوں انکل میں یہاں کمفرٹیبل فیل نہیں کروں گا، اور میں یہاں کس زعم

سے رہوں آپ میرے لگتے کیا ہیں کیوں اتنی ہمدردی دیکھا رہے ہیں"۔اب رازن اکتا گیا تھا وہ اپنی الجھنوں کے جواب مانگ رہا تھا مگر اُن کے پاس اُس کی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔۔

"بچے آپ کا اپنا گھر ہے اس گاؤں میں یہاں نہیں تو وہاں رہ لو اور سکول میں ٹیچنگ کر لو، آپ کو اُس کا معاوضہ بھی ملے گا اسطرح آپ کی رہائش بھی ہو جائے گی، اور تعلیم کے اخراجات بھی نکل آئیں گے، میں آپ کی سیلف ریسپیکٹ کسی صورت مجروح نہیں کرنا چاہتا"۔وہ جانتے تھے وہ جس ماں کا بیٹا تھا وہ اُس سے کبھی جیت نہیں سکیں گے۔۔

"میرا گھر؟؟"۔رازن نے چونک کر پوچھا۔۔

"جی بیٹا، چچا عبدالقیوم آپ کے نانا ابو تھے اُنہی کا گھر، جہاں اب بڑا سا تالا لگا رہتا ہے، آپ کو اُسے پھر سے آباد کرنا چاہیے، میری باتوں پر آج دھیان دیجیئے گا مجھے سکول سے دیر ہو رہی ہے، اللہ نگہبان"۔وہ یہ کہتے ہوئے صوفے سے اُٹھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ڈرائینگ روم سے باہر نکل گئے اور وہ وہی بیٹھا بہت سی الجھنوں کو سلجھاتا رہا، یا پھر مزید الجھتا رہا وہ ابھی کچھ سمجھنے سے قاصر تھا۔۔

تیرے ہجر میں جاناں۔۔

کاٹے ہیں دن رات کئی

یادوں کی ہوئی برسات کئی

ہم نے اپنے سب زخموں کو

تیری عزتِ نسواں کی خاطر

خود ہی کئی بار ہے کچلا جاناں

کہ اب تو بس۔۔۔

خواہشوں کے چٹیل میدان ہیں

اور صحرا سا گہرا سناٹا۔۔

سنگِ مرمر سا پتھر اب بھی

میرے اندر سانس لیتا ہے

چیختا ہے چلاتا ہے

سر پٹکتا ہے کئی بار شیشے کی دیواروں سے

مگر سنو جاناں۔۔۔!!

یہ سنگِ مرمر سا پتھر نہیں

عشق ہے میرا۔۔!!

جسے شیشے کی دیواروں نے

لہولہان کر ڈالا۔۔

بے زبان کر ڈالا۔۔

اور کہہ ڈالا، کہ بس

یہ تو عاشق ہے پتھر سا

یہ تو عشق ہے سنگِ مرمر سا۔۔!!

یہ تو عشق ہے سنگِ مرمر سا۔۔!!

اسمبلی کے بعد سب بچے اپنی اپنی کلاسیز میں چلے گئے تو وہ بھی اپنے آفس میں آ بیٹھے، ہمیشہ کی طرح آج بھی انہوں نے نیلے رنگ کا کرتا اور سفید شلوار پہن رکھی تھی اور کندھوں پر کالے رنگ کی چادر یوں ہوتی

کہ ایک پلہ آگے لٹک رہا ہوتا اور دوسرا کمر کے پیچھے سے ہوتا ہوا دوسرے بازو کی کہنی پر سے نیچے لٹکتا اُن کا یہ سٹائل اور کپڑوں کا رنگ کبھی نہیں بدلتا تھا چہرہ بے حد شفاف مگر آنکھوں کے نیچے گہرے کالے حلقے جو چشمہ کے پیچھے یوں ہی جھانکتے رہتے، باریک ہونٹ جو بے حد گلابی تھے مگر اُن پر جھریاں سی پڑ گئی تھی شاید وقت کا تقاضہ تھا۔ ہلکی ہلکی داڑھی اُن کے چہرے پر ہمیشہ بجی رہتی اور اُس میں بھی کافی سفید بال اُگ آئے تھے۔ اُن کی پرسنالٹی میں عجیب سی کشش تھی یوں کہ ایک نظر دیکھ کر دوسرا بندہ نظر جھکا لیتا اور اُن کو سنتے رہنے کی خواہش کرتا۔۔

"تو تم چلی گئی ہمیشہ کی جدائی میرا مقدر کر کہ میں جو اتنے برسوں سے تمھارے ایک بار پلٹ آنے کے انتظار میں سانس لے رہا تھا اور میری ہر سانس دعا گو تھی کہ ایک بار تو تم مجھے یہ بتا جاؤ کہ تم بھی مجھے اتنا ہی یاد کرتی ہو جتنا کہ میں تمھیں مگر آج وہ انتظار بھی ٹوٹ گیا، یہ محبت بھی کیا چیز ہوتا ہے انسان کو سب سے بڑی طاقت کو ہی اُس کی کمزوری بنا دیتا ہے وہی چیز جو آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے وہی آپ کے لئے وبالِ جان بن جاتی ہے، مگر میں نے تم سے محبت نہیں عشق کیا ہے لاج اور عاشق کے مر جانے سے عشق مر نہیں جاتا، تم تو اُسی روز مر گئی تھی

جب اِس گاؤں سے تمھاری ڈولی اُٹھی تھی اور مر تو میں بھی گیا تھا بس یہ ناکارہ وجود دفنانا ابھی باقی ہے پھر میں بھی تمھاری طرح میٹھی نیند سو

جاؤں گا"۔ نواب یشرح اپنے آفس کو اندر سے لاک کیے آج اپنے ہر زخم سے رستے لہو کو صاف کرنے کی بجائے اس لہو کو رسنے دے رہے تھے انہیں اب اس اذیت سے چھٹکارا ملنے ہی والا تھا مگر ایسا انہیں لگتا تھا کیونکہ زندگی نے اُن کے لئے بہت سے امتحانات ابھی باقی رکھ چھوڑے تھے، نا جانے کتنی ہی دیر وہ بیتے دنوں کو یاد کر کے بے نام اور بے آواز سے آنسو بہاتے رہے۔۔

"تو پاگل ہو گیا ہے رازی وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں تو جانتا ہے شہروں میں کتنے اخراجات ہوتے ہیں اور تو ابھی میٹرک پاس ہی سمجھا جائے گا کیونکہ تیرا انٹر کمپلیٹ نہیں ہوا وہاں تجھے کوئی جاب نہیں ملے گی اور کرایے کا گھر کہاں سے افورڈ کرے گا، جو سیونگز تھی وہ بھی تو نے آنٹی کے علاج پر لگا دی تھی یہاں تجھے گھر ملے گا نوکری ملے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یشرح انکل اتنے اچھے ہیں کہ وہ تیری ساری ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہیں، کس بات کی ٹینشن ہے تجھے آرام سے یہیں رہ جب تک تیری اسٹڈیز کمپلیٹ نہیں ہو جاتی"۔۔ عماد اُسے کب سے سمجھانے میں مصروف تھا مگر وہ اُس کی سوئی ایک ہی بات پر اڑی ہوئی تھی۔۔

"یار آج کل تو کوئی سگا اتنا ہمدرد نہیں بنتا اور یہ یشرح انکل، مجھے اُن کی سمجھ نہیں لگ رہی مام نے صرف لاج گرامر سکول کا پتا دیا تھا، کچھ اور پوچھ سکتا اُن سے یا وہ بتا سکتیں موت نے اتنا موقع ہی نہیں دیا، یہ موت بھی نا کبھی کبھی اتنی سفاک اور بے رحم بن جاتی ہے کہ اسے کسی کی اذیتوں سے جیسے کوئی سروکار ہی نہ ہو، مام کی آنکھیں اُس لمحے بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں بہت الجھنیں بہت سوال تھے جیسے اُن کی آنکھوں میں ،اور جب یہ ایڈریس کا کاغذ مجھے پکڑا رہی تھیں تب جیسے اک شدید کرب کی کوئی لہر اُبھری ہو ان کی آنکھوں میں، میں اُس لمحے کو نہیں بھول سکتا عمی نہیں، مجھے لگتا ہے جیسے وہ مجھے بہت کچھ بتانا چاہتی تھیں، مگر"۔۔ رازن بے حد الجھا اور ٹوٹا سا لگ رہا تھا اس وقت وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے اور نظریں زمین پر گاڑھے بے آواز آنسو بہاتا رہا۔۔

"دیکھ یار اُن سے تیرا کیا رشتہ ہے وہ نہیں بتانا چاہتے تو مت پوچھ تو آم کھا پیڑ نہ گن اور جہاں تک بات ہے سکول کی تو انہوں نے اس بات سے تو انکار نہیں کیا نا کہ وہ تمھارا ہے بلکہ انہوں نے یہ یقین دلایا ہے کہ مالک تمہی ہو مگر ہو سکتا ہے وہ سکول ختم کرنے کے حق میں نہ ہوں اتنے عرصے سے اُس ادارے سے وابسطہ ہیں ان کی ایموشنل انڈرسٹینڈنگ بھی تو ہو سکتی ہے، اور پلیز اب تو رونا بند کر اور اپنے بارے میں

کچھ سوچ آنٹی کا خواب سچ کرنا ہے تجھے اور اس سے اچھا موقع تجھے نہیں ملے گا"۔۔عماد کمرے میں دائیں سے بائیں چکراتے ہوئے اُسے ہر ممکن دلیل دے رہا تھا کیونکہ اُسے ایسا لگتا تھا کہ اُس کے دوست کا فیوچر یہیں اچھا ہو سکتا ہے۔۔

"شاید یار تو ٹھیک کہہ رہا ہے، میں رہ لیتا ہوں ادھر ہی مگر میں تمھارے بغیر کیسے رہوں گا یم بھی میرے ساتھ ہی رہو گے بس کہہ دیا"۔۔راز ن کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد گویا ہوا۔۔

"بھئی ہم تو آپ کے عشق میں پوری طرح گرفتار ہیں ہم بھی آپ سے جدا نہیں رہ سکتے میری انارکلی مگر یہ چند برسوں کی جدائی تو سہنا ہی پڑے گی نا"۔عماد اُس کے پہلو میں بیڈ پر بانہیں پھیلا کر ڈھے گیا اور شہزادہ سلیم کی سی ایکٹنگ کرنے لگا۔۔

"نہیں جدھر میرا جگر نہیں وہاں میرا کیا کام،اللہ وارث ہے چل ابھی نکلتے ہیں اسلام آباد کے لئے"۔عماد شہزاد اور راز ن ارسلان بچپن کے دوست تھے وہ ایک دوسرے کی ہر رگ سے باخوبی واقف تھے

"یار میرا کیا ہے ماں تو عیش میں اپنے نئے ہسبنڈ کے ساتھ اور باپ بھی مزے کر رہا امریکہ میں، بھابھی ابھی تیری آئی نہیں، ہاہاہ کر ما والی ہوتی تو میں ہاسٹل جیسے دربے پر دھکے تھوڑی کھا رہا ہوتا ،میرے سپنوں کی رانی کب آئے گی تو ،اتنا بتا کب آئے گی تو"۔گانا گاتے ہوئے اُس نے پہلو میں بیٹھے راز ن کو ایک طرف سے اپنی بانہوں میں ایسے بھر لیا جیسے وہی اُس کی رانی ہو۔

"بس تو اب ہم دونوں یہیں رہے گے، فتح پور "The villiage of beauty mysteries راز ن نے زیرِ لب کہا اور ایک گہری مسکراہٹ نے اُس کے چہرے کا احاطہ کر لیا ۔

بقیہ اگلے ماہ

مقدر جاگے جارے
انمول عائشہ صدیقی

"مقدر جاگ جائے تو"

تحریر۔انمول عائشہ صدیقی

جی امی بس آئی۔

تم ہمیشہ اپنی پرواہ میں صفر ہی رہنا کبھی تو خود بھی اپنا خیال رکھ لیا کرو۔

اب جب آپ ہیں میرا خیال رکھنے کیلئے تو میں کیوں خود کو یہ کام سونپوں امی جانی؟؟

اس طرح نہیں چلتا امی کی جان انمول جو انسان اپنا خیال نہیں رکھتا نا دنیا بھی اُسی کو ستاتی ہے۔۔

چلیں اچھا میں چلتی ہوں امی مجھے ویسے ہی دیر ہو گئی ہے اللہ حافظ۔۔

یہ اسکی روزمرہ کی صبح کی شروعات ہوتی تھی اور وہ اپنی امی کی ان باتوں کو سننے سے نا تھکتی تھی نا برا سمجھتی تھی بس اک احساس ہوتا تھا کہ خود کو اب مزید کب تک مضبوط رکھنا ہو گا؟؟ مگر وہ اس احساس کو بھی اپنے تک ہی رکھتی تھی انہی سوچوں میں گھری چلتے چلتے کب وہ اپنے اکیڈمی پہنچی پتہ ہی نہ چلا وہ اپنے علاقے کے ایک اکیڈمی میں ٹیچنگ کرتی تھی اسکے تین بھائی تھے اور وہ تینوں ہی اپنی زندگی میں بہت مصروف اور خوش تھے ایسا نہیں تھا کہ وہ اسے اور اسکی امی کو فراموش کرتے تھے بہت لاڈلی تھی وہ اپنے بھایوں کی مگر اس نے اپنے لاڈ کا غلط فائدہ کبھی نہیں اٹھایا وہ یہ ٹیچنگ اپنی خوشی سے کرتی تھی اور کچھ آنے والیوں یعنی کے اسکی بھابھیوں کے رویے بھی مجبور کرتے تھے انمول تم آج پھر پورے پندرہ منٹ لیٹ پہنچی ہو اسکی میڈم کے الفاظ اسے خیالی دنیا سے حقیق دنیا میں لائے تو اس نے فوراً سے مسکرا کر معذرت کر لی اور آئندہ ٹائم پر آنے کا کہتی اپنی کلاس میں داخل ہو گئی ۔

"اسلام وعلیکم ٹیچر کی صداؤں نے اُسکے منتشر دماغ کو بہت پرسکون کر دیا تھا اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور پڑھانے لگی جب اسکول کی چُھٹّی ہوئی تو گھر کی طرف جاتے جاتے اس نے رخ بازار کی سمت کر لیا کچھ ضروری سامان لینے کا بہت دنوں سے سوچ رہی تھی آج تنخواہ ملی تو سوچا یہ کام بھی کر لے سامان لے کر جب گھر کی سمت بڑھی اور دروازے پر پہنچی تو بھائیوں کی موجودگی پر تھوڑی حیران ہوتی ہوئی ان سب کو سلام کرتی امی اور اپنے مشترکہ کمرے کی سمت بڑھ گئی کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اپنی امی کے چہرے کی چمک نے اسے خوشی اور حیرانی سے ملے جلے تاثرات اسکے چہرے پر بھی آ گئے ۔۔۔۔۔اوہو آج تو امی جانی بہت خوش باش لگ رہی ہیں خیر تو ہے ناں؟؟ اس نے امی کے گرد بانہیں پھیلائے انکو چھیڑتے ہوئے کہا ہاں خیر ہی خیر ہے امی کی جان انہوں نے حسبِ عادت اسکے ماتھے پر اپنی محبت کا اظہار کیا تو وہ روزانہ کی طرح مسکراتی رہی اچھا چلو جلدی سے فریش ہو جاؤ اور اچھی طرح تیار ہو کر نیچے آ جاؤ آج تمہیں دیکھنے لڑکے والے آ رہے ہیں اسکو لگا امی مذاق کر رہی ہیں کیونکہ اس نے اپنی زندگی کے اس پہلو کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور نا ہی اسے اتنا موقع دیا گیا تھا کیا مجھے دیکھنے لڑکے والے آ رہے ہیں اور آپ مجھے ایسے بتا رہی ہیں میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ مجھے نہیں کرنی شادی وادی منا کر دیں آپ انکو نہ آئیں وہ دیکھنے مجھے میں امی سے خفا خفا سی کہتی وہیں بیٹھ گئی ایسا نہیں کہتے امی کی جان زندگی میں کبھی نہ کبھی ہر لڑکی کو جانا ہی ہوتا ہے۔اپنا گھر اپنے رشتے چھوڑ کر اور یہ رسم آج کی نہیں صدیوں پرانی ہے اس کو سب نے نبھایا ہے اور سب ہی کو نبھانا ہے مگر مجھے نہیں جانا آپ کو چھوڑ کر میں اتنی بوجھ بن گئی امی کہ آپ مجھے خود سے دور کرنے کا سوچنے لگیں؟؟

ایسا نہیں ہے امی کی زندگی کوئی ماں کبھی بھی اپنی بیٹی کو دور نہیں کرتی اگر یہ رسم ہمارے بڑے نہ کرتے ہمارے نبی نے اپنے جگر گوشے بی بی فاطمہ کو رخصت کیا یہ مثال کافی نہیں ہمارے لیئے ان سے بڑھ کر تو نہیں نا کوئی نا تم نا میں بیٹا زندگی کا ہر پہلو نیا ہے اور ہمارا فرض بنتا ہے ہم ہر پہلو کو جانیں اور اس سے زندگی جی کر دیکھیں اور ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے اپنی گڑیا جیسی بیٹی کو دلہن بنا دیکھنے کی تو بتاؤ میں کہاں غلط ہوئی؟؟ وہ اب کدرے بہتر موڈ میں لگ رہی تھی خاموشی سے کپڑے پکڑ کے نہانے چلی گئی اور جب

واپس آئی تو کمرہ خالی تھا شائد امی نیچے تیاریاں کرنے گئیں ہیں وہ یہ سوچتی جب شیشے کے سامنے کھڑی ہوئی تو خود کو دیکھے گئی گلابی اور آسمانی رنگ کے خوبصورت فراک اور پجامے میں وہ پہلی بار خود کو اتنا حسین دیکھ رہی تھی اور پہلی بار کسی کی چاہت اسکے دل میں سر اُٹھا رہی تھی جو بھی تھا اسے اچھا لگ رہا تھا کیونکہ تھی تو وہ بھی ایک لڑکی ہی۔۔۔۔

جب لڑکے والے آ گئے اور اسکی بھابھی اسے لینے آئیں تو دھڑکتے دل کے ساتھ سر پر دوپٹہ ٹکائے گردن جھکائے وہ سہج سہج کے قدم رکھتی مہمانوں کے پاس پہنچی اور سلام کرتی امی کے ساتھ گردن جھکائے بیٹھ گئی اسے نہیں پتہ تھا کے جو شخص اسکے سامنے بیٹھا ہے وہ اسکی سادگی کا دیوانہ ہو چکا ہے وہ تو یہ تک نہیں جانتی تھی کہ اسکی جھکی نظریں کسی کے دل کے آرپار ہو بھی گئیں ہیں۔۔۔۔

بیٹی آپکا نام کیا ہے؟؟؟ جی انمول نام ہے میرا۔۔۔۔ ماشاءاللہ بہت پیارا نام ہے تمہاری طرح بہن ہمیں آپکی بیٹی بہت پیاری لگی ہے اور ہم اپنے بیٹے کیلئے آپ سے انمول کا سوال کرتے ہیں انمول نے اتنا سنا اور وہ کمرے سے بھاگتی اپنے کمرے میں آ کر اپنی سانسیں ہموار کرنے لگی اسے پہلی بار اپنی معصومیت پر فخر ہو رہا تھا اور وہ پہلی بار کسی کی ہو جانے کا تصور کر رہی تھی اور اسے ایک عجیب سی خوشی اپنے وجود میں سرائیت کرتی محسوس ہو رہی تھی وہ آئینہ کے سامنے کھڑی خود کو محبت بھری نظروں سے تکتے ہوئے انہی سوچوں میں ڈوبی تھی کہ اسکی امی آ کر اسکا ماتھا چوم کر کہا کہ لڑکے والوں کی طرف سے ہاں ہے مگر میں چاہتی ہوں ایک نظر تم لڑکے کو دیکھ لو یہ تصویر لائی ہوں میں وہ لوگ ابھی کھانا کھا رہے ہے تم جب تک لڑکے کو دیکھ لو پھر میں بات آگے بڑھاؤنگی یہ رہی تصویر مجھے تو بہت اچھا لگا ہے لڑکا مگر تمہاری مرضی کے بنا میں کوئی فیصلہ نہیں کرونگی انمول سر جھکائے سب سنتی رہی۔۔۔۔ جب امی باہر چلی گئیں تو اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ کھولا اور جب نظر لڑکے پر گئی تو بے ساختہ دل میں محبت نے اپنا سر اُٹھا لیا اور وہ مسکراتی ہوئی تصویر لفافے میں رکھنے لگی اسے پہلی بار زندگی آسان لگی تھی وہ پہلی بار اپنے دل کی ماننے جا رہی تھی امی کمرے میں آئیں تو اس سے پوچھا انمول کیسی لگی تصویر؟۔۔۔۔ میں ہاں کہہ دوں تو وہ بہت دیر کے بعد بس اتنا ہی کہہ پائی جیسا آپ کو ٹھیک لگے امی اور یہ سنتے ہی اسکی پیشانی پر دُعاؤں کو سبط کرتی امی نیچے کی سمت دوڑی چلی آئیں آخر منہ میٹھا بھی تو انہوں نے ہی کروانا تھا سب کا اور وہ اپنے کمرے میں بیٹھی بس یہی سوچ رہی تھی کے راحت سب کے مقدر میں ہوتی ہے مگر وقت مقررہ پر ہی نصیب بنائی جاتی ہے اور وہ خوش تھی اپنے رب کے خوبصورت فیصلے پر۔۔۔۔۔

بند قبا کھلنے لگی ہے جاناں
سعدیہ عابد
addacover.com

☆بند قبا کھلنے لگی ہے جاناں☆(قسط۱)

مصنفہ۔سعدیہ عابد

☆انتساب☆

میری امی کے نام

جن کی دعائیں میرے شاملِ حال رہیں

اور میری ماں کی دعا نے مجھے ترقی کی

منزلوں تک پہنچا دیا۔

رہتے ہیں میرے ساتھ فرشتے دعاؤں کے

میں خوش نصیب ہوں کہ میری ماں حیات ہے

پیش لفظ۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان، رحم کرنے والا ہے۔شکر ہے اس باری تعالیٰ کا جس نے مجھے پہچان بخشی۔

زیرِ نظر کتاب میری پہلی تصنیف ہے جس کے لیے میں اپنے اللہ کی شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے اتنی کامیابی عطا فرمائی۔

"بندِ قبا کھلنے لگی جاناں" میرا پہلا طویل ناول ہے جو احساس کی قبا میں لپیٹ کر جذبات کے اظہار کے لیے لکھا گیا ہے۔وقت کی دھند میں اس کے کردار آپ کے ذہن سے شاید محو ہو جائیں گے لیکن مجھے یقین ہے کہ دل کی سرزمین سے کبھی بے دخل نہ ہو پائیں گے۔

اس ناول کو ملنے والا فیڈ بیک میری امیدوں سے بڑھ کر رہا اور اس کے لیے میں اپنے اللہ، اپنی فیملی، صالحہ آپی) چیف ایڈیٹر صالحہ محمود(، دوست لبنیٰ خالد اور قارئین کی دل سے مشکور ہوں کہ آپ سب نے ناول لکھنے سے اس کی اشاعت تک اور اس کی اشاعت سے کتابی شکل میں آنے تک میری حوصلہ افزائی کی، میرا ساتھ دیا۔

سعدیہ عابد

پیر 12 جنوری 2015ء

(قسط نمبر۱)

""تایا ابو مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"بیٹا! تو اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے؟ بلا جھجک بات کریں۔"

"تایا ابو! میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔" حنین کی بات پر سب ہی اُسے بڑی حیرانگی سے دیکھنے لگے تھے کیونکہ کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سب کہے گی۔

"حنین بیٹا! آپ جانتی بھی ہیں کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"تایا ابو! میں جاب کرنا چاہتی ہوں اور یہ بات آپ سے میں نے بہت سوچ سمجھ کر کی ہے۔" حنین کی سنجیدگی پر ذرا برابر فرق نہیں پڑا تھا جبکہ وہ عموماً کافی غیر سنجیدہ ہی رہتی تھی اور اس کی سنجیدگی کی وجہ سے ہی نوید عالم کچھ متفکر ہوئے تھے۔

"آپ کو جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پہلے آپ اپنی ایجوکیشن تو کمپلیٹ کر لیں۔"

"تایا ابو! میں ایک بزنس وومن بننا چاہتی ہوں۔"

"بیٹا! پہلے وومن تو بن جایئے، بزنس وومن بننے کی بات تو بعد میں آتی ہے، ابھی آپ کا انٹر تک کمپلیٹ نہیں ہوا اور آپ ہیں کہ بزنس وومن بننا چاہتی ہیں۔" نوید عالم کے لبوں پر بڑی شریر مسکراہٹ نے

بڑی تیزی سے جگہ بنائی تھی۔

"حنین! فضول باتیں بہت ہوگئیں، اب اٹھو اور جا کر سوؤ۔"

"ممی! میں فضول باتیں نہیں کر رہی، آئی ایم سیریس۔" اسے ماں کا اس طرح بولنا پسند نہیں آیا تھا، اوپر سے تایا کی مسکراہٹ بھی اس کا دل جلا رہی تھی۔

"ساجدہ! آپ پلیز کچھ مت کہیں، میں حنین سے بات کر رہا ہوں۔"

"بھائی صاحب! اس کا تو دماغ خراب ہے، نئے نئے خیالات اس کے دماغ میں آتے رہتے ہیں، ڈھنگ سے گھر کا تو یہ کوئی کام کر نہیں سکتی، چلی ہے جاب کرنے۔" نوید عالم کے اشارے پر وہ چپ کر گئیں تھیں۔

"ممی! مجھے گھر کے کاموں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے، میں بزنس وومن بننا چاہتی ہوں اور پلیز تایا ابو! آپ مجھے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دیں۔" حنین نے ماں اور تایا سے باری باری کہا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کہ آپ آفس جوائن کریں، لیکن ابھی یہ سب قبل از وقت ہوگا، آپ پہلے اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کریں اس کے بعد میں آپ کو آفس جوائن کرنے سے نہیں روکوں گا۔"

"تایا ابو! بعد میں تو میں کروں گی، لیکن آج کل میں فارغ ہوں تو میں آفس جوائن کرنا چاہتی ہوں، تا کہ مجھے کچھ ایکسپیریئنس ہو جائے۔"

"حنین! جب بھائی صاحب نے کہا ہے کہ وہ تمہیں اجازت دے دیں گے تو پھر تم کیوں بحث کر رہی ہو؟" انہوں نے بیٹی کو گھورا تھا۔

"ممی! میں بحث نہیں کر رہی۔"

"تو پھر بحث کرنا کس کو کہتے ہیں؟" اب کے انہوں نے اس کو ڈپٹا تھا۔

"ساجدہ! ڈانٹ کیوں رہی ہو حنین کو، اگر بچی اپنے دل کی بات گھر والوں سے نہیں کرے گی تو پھر کس سے کرے گی؟" راشدہ نے مداخلت کی تھی۔

"آپا بیگم! ہر وقت کی ضد اور بحث اچھی نہیں ہوتی اور جب حنین سے بھائی صاحب نے کہہ دیا ہے کہ جب وقت آئے گا تو اسے جاب کرنے کی اجازت مل جائے گی تو یہ کیوں خاموش نہیں ہو جاتی؟"

"جب حنین مجھ سے بات کر رہی ہیں تو آپ لوگوں کو بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسے روتے دیکھ کر وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

"آئی ایم سوری بھائی صاحب!" ساجدہ نے قدرے شرمندگی سے اپنے جیٹھ کو دیکھا تھا اور معذرت طلب کی تھی۔

حنین! رونے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا!"

"تایا ابو! مجھے معاف کر دیں، میں آپ سے بحث نہیں کر رہی، میں تو بس یہی چاہتی ہوں کہ آپ مجھے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دیں۔"

"بیٹا! ابھی آپ کو بزنس کی نو ہاؤ نہیں ہے تو میں کیسے آپ کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں؟"

"تایا ابو! جب میں آفس جوائن کروں گی تب ہی تو مجھے بزنس کی نو ہاؤ ہوگی۔"

"حنین بیٹا! آپ میری بات سمجھ نہیں رہی ہو؟ آفس جوائن کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔" وہ اسے سمجھا نہیں پا رہے تھے۔

"اگر مشکل ہے تو بھی مینج کر لوں گی تایا ابو!"

"حنین! میں آپ کو ابھی اجازت نہیں دے سکتا۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔

"لیکن کیوں تایا ابو؟ آپ مجھ پر بھروسا کر کے تو دیکھیں۔"

"میں نے یہ کب کہا کہ میں آپ پر بھروسا نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو اجازت نہیں دے رہا ہوں؟ میں تو

فی الحال اس لئے منع کر رہا ہوں کہ جاب کرنا؟ آفس سنبھالنا ایک ٹف ٹائم ڈیوٹی ہے اور جس کو آپ مینج نہیں کر سکتیں؟ اس لئے پہلے تعلیم مکمل کریں تا کہ آپ کو پتہ ہو کہ آفس کیسے سنبھالتے ہیں؟"

"وہی تو میں سیکھنا چاہتی ہوں۔"

"کچھ بھی ایسے نہیں سیکھا جاتا حنین! ہر چیز وقت پر ہی اچھی لگتی ہے اور اگر میں آپ کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دوں تو آپ کیا کریں گی؟ آفس کے کام کے بارے میں آپ جانتی ہی کیا ہیں؟"

"تایا ابو! میں کسی بہت بڑی پوسٹ پر کام کرنے کیلئے نہیں کہہ رہی، میری ایجوکیشن کے مطابق جو آپ کو ٹھیک لگے۔"

"آپ کی ایجوکیشن ہی کتنی ہے؟ محض انٹر، اس کا بھی ابھی رزلٹ نہیں آیا۔"

"تو کیا انٹر کر کے کوئی جاب نہیں کرتا، کتنی ہی لڑکیاں اور لڑکے انٹر کے بعد بھی جاب کرتے ہیں، جب ان کو جاب مل جاتی ہے تو کیا مجھے

اپنے گھر کے بزنس میں بھی ایڈجسٹ نہیں کیا جا سکتا؟"

"حنین! بس چُپ کر جاؤ، سارے لحاظ بھولتی جا رہی ہو تم، تایا سے دوبدو بحث کرتے تمہیں ذرا سی شرم نہیں آ رہی۔"

"ممی!"

"شٹ اپ حنین! اُٹھو اپنے کمرے میں جاؤ، اب کچھ کہا تو بہت پٹو گی مجھ سے۔" اُسے منہ کھولتے دیکھ وہ درشتگی سے بولی تھیں اور وہ صوفے سے اُٹھی تھی اور کسی کو بھی دیکھے بغیر لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

"بھائی صاحب! حنین کی طرف سے میں آپ سے معافی"...

"ساجدہ! حنین میرے لئے غیر نہیں ہے، میری اپنی بیٹی ہے۔"

"یہ آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی صاحب! کیا میں نہیں جانتی کہ حنین آپ کو کتنی عزیز ہے، جاوید کی موت کے بعد آپ نے ہی تو سارے لاڈ اٹھائے ہیں، اپنے بچوں سے بڑھ کر حنین کا خیال رکھا، اس کی ہر خواہش پوری کی اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب جو سوچ لیتی ہے اسے پورا کروا کے ہی چھوڑتی ہے، اتنی ضد اور من مانی اچھی نہیں ہوتی کل کو اگلے گھر جائے گی تو کون برداشت کرے گا یہ سب؟ مجھے تو سوچ سوچ کر ہی ہول اُٹھتے ہیں۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ساجدہ! حنین میری ذمہ داری ہے، جسے میں آخری سانس تک خوش دلی سے اُٹھاؤں گا اور بچے والدین سے بھی ضد یا فرمائش نہیں کریں گے تو پھر کس سے کریں گے؟ آپ ہر وقت حنین کے پیچھے نہ پڑ جایا کریں، اگر ضد کر بھی رہی ہے تو اسے پیار سے سمجھایا جا سکتا ہے، بڑی ہوتی ہوئی اولاد پر ہر وقت تنقید کی جائے یا روک ٹوک، اس کا بُرا اثر پڑتا ہے، اس لئے پیار و محبت سے پیش آیا کریں؟ آپ کی روک ٹوک حنین پر بھی بُرا اثر ڈالے گی اور جب بات پیار و محبت سے سلجھائی جا سکتی ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ سختی سے پیش آئیں؟" نوید عالم سنجیدگی سے کہتے چلے گئے تھے۔

"نوید ٹھیک کہہ رہے ہیں ساجدہ! تم ہر وقت ہی حنین کے پیچھے پڑی رہتی ہو کہ اتنی دیر کیوں سوئیں، رات دیر تک کیوں جاگتی رہیں، کھانا بنانا سیکھو، سلائی سیکھو۔ وہ وقت کے ساتھ سب سیکھ لے گی، تم کیوں اتنی فکرمند ہوتی ہو؟" راشدہ نے شوہر کی حمایت میں بات آگے بڑھائی تھی۔

"آپا بیگم! میں بھی کیا کروں اور بچیاں بھی تو ہیں، زرمین نے پورا کچن سنبھالا ہوا ہے اور شازمین سلائی کڑھائی میں ماہر ہے اور حنین ہے کہ نہ چائے بنانا آتی ہے نہ ہی سوئی میں دھاگہ ڈال سکتی ہے، دونوں بچیوں کی طرح گھر داری میں انٹرسٹ لے تب اسے کچھ آئے گا، اُسے تو بزنس وومن بننے کا خبط ہو چلا ہے۔" وہ بیٹی کی حرکتوں سے سخت نالاں تھیں۔۔

"وقت کے ساتھ سیکھ لے گی، تم پریشان نہ ہوا کرو۔" راشدہ نے اپنا ہاتھ تسلی بھرے انداز میں ساجدہ کے ہاتھ پر رکھا تھا، راشدہ اور ساجدہ دو بہنیں جو شادی کے بعد جٹھانی دیورانی بن گئیں، نوید اور جاوید دو

بھائی اور ایک بہن فریدہ۔ نوید سب سے بڑے تھے اور ان کی دو بیٹیاں زرمین اور شاز مین او
بیٹا اسجد جو بہنوں سے بڑا تھا۔ اسجد نے بی اے کرنے کے بعد باپ کا بزنس سنبھال لیا تھا، ز
گریجویشن کے بعد اپنی مرضی سے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا، شاز مین بی ایس سی کے آخری سال
جاوید عالم کا انتقال بہت ہی کم عمری میں ہوگیا تھا ان کو کینسر تھا اور علاج کروانے کے باوجود ما ر
مرضی کے تحت رو بہ صحت نہ ہو سکے اور دنیا سے منہ موڑ گئے، اُس وقت جاوید کی اکلوتی بیٹی حن
برس کی تھی، نوید عالم اور راشدہ نے بہت کوشش کی کہ ساجدہ دوسری شادی کر لیں مگر وہ کسی طور
ہوئیں، جس طرح جاوید کی زندگی میں وہ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے تھے ویسے ہی رہ رہی ت
نے انٹر سائنس کے ایگزامز دیئے تھے؟ حنین کو باپ کی کمی محسوس نہ ہو اس لئے نوید عالم نے
تینوں بچوں سے زیادہ محبت و چاہت اور توجہ دی تھی اور گھر والوں کی توجہ نے ہی اسے کافی
موڈی بنا دیا تھا، فریدہ کے دو بیٹے ارحم الحسن اور راحم الحسن تھے۔ ارحم نے سی ایس ایس کیا تھا ا
میں

پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ زرمین کی ہم عمر مائدہ نے بھی گریجویشن کیا تھا اور مائدہ کی اسجد سے ا
کی راحم سے 3 ماہ قبل ہی بڑی دھوم دھام سے منگنی ہوئی تھی، فریدہ کے شوہر یوسف ایئر فورس
تھے، حال ہی میں انہوں نے ریٹائرمنٹ لی تھی جبکہ راحم کو اس شعبے سے دلچسپی نہ تھی اس لے
انجینئرنگ کی ڈگری لی اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے وابستہ ہوگیا تھا۔ دونوں گھرانوں میں بے ح
انسیت تھی، ان لوگوں میں رشتوں کی اصل مٹھاس شدت سے محسوس کی جا سکتی تھی جبکہ آج کل
جس میں جوائنٹ فیملی سسٹم تقریباً ختم ہو رہا ہے اور قریبی رشتے دار بھی ایک دوسرے کی کاٹ
رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی آپسی محبت اور یگانگت قابل ذکر ہی تھی کیونکہ اپنوں کو سمجھنا اور ان
آج کل کے دور میں بہت کم نظر آتا ہے۔

☆☆☆

"پھپھو! اس دفعہ آپ نے کافی دنوں بعد چکر لگایا ہے، سچ میں آپ کو بہت مس کر رہی تھی۔" شاز مین لاڈ سے بولی تھی۔

"پھپھو کو مس کر رہی تھیں یا پھپھو کے بیٹے کو مس کیا جا رہا تھا؟" چلغوزوں کی پلیٹ سے انصاف کرتی حنین کے شرارت سے کہنے پر شاز مین بُری طرح جھینپ گئی تھی اور جھینپ مٹانے کو اُس کے بازو میں چٹکی کاٹی تھی۔ ہر وقت فضول بولا کرو۔"

"لو بھئی نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔" وہ بازو کو سہلاتے ہوئے بولی تھی اور فریدہ ہنسنے لگی تھیں اور ہنستے ہوئے اُسے چھیڑنے وہ بازو کو سہلاتے ہوئے بولی تھی اور فریدہ ہنسنے لگی تھیں اور ہنستے ہوئے اُسے چھیڑنے کو بولی تھیں۔

"شاز مین بیٹا! کیا حنین سچ کہہ رہی ہے؟ یاد مجھے نہیں بلکہ...!" جان کر انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر شرارت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا تھا۔

"آپ بھی نا پھپھو! اس کو تو بکواس کرنے کی عادت ہے، میں آپ کیلئے چائے لے کر آتی ہوں۔" اس کا خوبصورت چہرہ اناری ہو چلا تھا اور اُس نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

"زرمین آپی! سے کہہ دیجیے گا چائے بنانے کیلئے، جوشاندہ پینے کا بالکل بھی موڈ نہیں ہے۔" حنین نے پیچھے سے آواز لگائی تھی۔

"تم سے تو اچھی چائے بناتی ہوں، تمہیں تو یہ بھی شاید پتہ نہ ہو کہ چائے بناتے وقت ڈالتے کیا کچھ ہیں؟" اس نے مڑ کر کہتے ہوئے حساب بے باک کیا تھا اور سب ہی جانتے تھے کہ شاز مین نے بالکل سچ کہا ہے اس لئے فریدہ اور راشدہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی جبکہ ساجدہ کو فکر نے آ گھیرا تھا۔

"ساجدہ بھابی! آپ کیوں خاموش بیٹھی ہیں؟"

"ہاں... نہیں... میں بچیوں کی نوک جھونک سُن رہی تھی تم آتے ہوئے مائدہ کو بھی لے آتیں۔"

"نہیں بھابی! اچھا نہیں لگتا، یہ مائدہ کی ہونے والی سسرال ہے، سسرال میں شادی سے پہلے آنا کچھ معیوب سی ہی بات ہے۔"

"تم بھی کن زمانوں کی بات کرتی ہو فریدہ! زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اور مائدہ کا یہ سسرال بعد میں، ماموں کا گھر پہلے ہے، اور مائدہ کا یہ سسرال بعد میں، ماموں کا گھر پہلے ہے، اس لئے اُس کے آنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔" راشدہ نے کھلے دل وسچائی سے کہا تھا۔

"بھابی بیگم! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر احتیاط کرنا اچھی بات ہے۔"

"فریدہ تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے مگر منگنی نہ جانے ابھی کتنے ماہ یا سال رہے ہو تو بچے کیا ماموں اور پھپھو کے گھر ہی نہیں آئیں جائیں گے؟" ساجدہ دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"ممی! تو بچوں کی جلدی شادی کر دیں، ویسے ہی انتظار اب نہیں ہوتا۔" چائے کی ٹرالی لاتی شازمین کو دیکھ کر وہ شرارت سے بولی تھی۔

"ساجدہ بھی حنین نے مشورہ تو کافی درست دیا ہے، اس بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔" فریدہ کی بات پر حنین نے فخر سے فرضی کالر کھڑے کئے تھے اور وہ محض بیٹی کو گھور کر رہ گئی تھیں۔

"فریدہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ شازمین چھوٹی ہے، اسی لیے میں تو منگنی کے بھی خلاف تھی، مگر تمہاری ضد کے آگے چُپ ہو گئی، مگر زرمین کی شادی سے پہلے میں شازمین کی شادی نہیں کروں گی۔" راشدہ قطعیت سے بولی تھیں کیونکہ وہ شازمین کا رشتہ کرنا ہی نہیں چاہ رہی تھیں مگر فریدہ بھی کیا کرتیں؟ بڑا بیٹا شادی کے نام سے چڑتا تھا اور دوسرے بیٹے نے خود شازمین کا نام لیا تھا ورنہ تو ان کا ارادہ ارحم کیلئے زرمین کو مانگنے کا تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا تو انہوں نے چھوٹے بیٹے کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے شازمین

کا تھا مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا تو انہوں نے چھوٹے بیٹے کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے شازمین کو مانگ لیا تھا۔

"بھابی بیگم! میں تو خود یہی چاہتی ہوں کہ پہلے کہیں ہماری زرمین کا رشتہ ہو جائے اور آج میں اسی سلسلے میں حاضر ہوئی ہوں۔"

"میں سمجھی نہیں فریدہ!"

"بھائی صاحب! آ جائیں پھر بات کروں گی، ابھی بچیاں بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"پھپھو! ایسی کیا بات ہے جو ہم سے چھپانا چاہتی ہیں؟" حنین کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"پھپھو کی دادی! آپ ہر معاملے میں ٹانگ مت اڑایا کریں، ہم جب ضروری سمجھیں گے تمہیں بتا دیں گے، آج کل فارغ ہوا تنا نہیں ہوا کہ پھپھو کے گھر آ جاؤ، مگر نہیں جناب، پھپھو سے تو منہ دیکھے کی محبت نبھائی جاتی ہے۔" انہوں نے مذاق سے کہتے ہوئے اُس کا کان پکڑا تھا جسے چھڑاتے ہوئے اس نے فریدہ کے کاندھے پر اپنا دایاں ہاتھ پھیلاتے ہوئے لاڈ سے کہنا شروع کیا تھا۔

"سچی پھپھو! میں آپ سے منہ دیکھے کی محبت نہیں کرتی، یہ کام تو شازمین بجو کا ہے، آپ آتی ہیں تو ان کو یاد آتا ہے کہ یہ آپ کو یاد کر رہی تھیں، ورنہ تو آپ کا نام بھی نہیں لیتیں۔" وہ ہنستے ہوئے شازمین کو ٹارگٹ بنا رہی تھی۔

"میں تمہاری طرح بدتمیز نہیں ہوں کہ بڑوں کا نام لوں۔" وہ چڑ کر بولی تھی۔

"یعنی آپ شادی کے بعد راحم بھائی کا نام نہیں لیں گی، وہ بھی تو آپ سے بڑے ہیں، ویسے بجو! آپ ان کا نام نہیں لیں گی تو پھر انہیں کیا کہیں گی؟ جانو، ڈارلنگ یا سوئٹ ہارٹ!"

"شٹ اپ! چہرہ سرخی مائل ہو گیا تھا اور وہ شرم وحیا سے لال پڑتی وہاں سے تقریباً بھاگتے ہوئے نکلی تھی۔

"بتا کر تو جایئے کہ آخر راحم بھائی کو آپ کیا کہیں گی؟" اسے روکنا چاہا تھا۔

تم سے مطلب ،تم اپنے کام سے کام رکھو سمجھیں؟" وہ پلٹ کر کہتی بھاگ گئی تھی ۔

"بری بات حنین !بہن کو تنگ نہیں کرتے ۔"

"سچ پھپھو! تنگ کرنے میں جو مزہ ہے وہ کسی بھی چیز میں نہیں ہے اور شاز مین بجو کو تو ستانے میں بڑا ہی مزہ آتا ہے ،راحم بھائی کے نام پر جو شرماتے ہوئے بھاگتی ہیں ،ان کا یہ انداز ہ سچ میں لطف دے جاتا ہے۔" وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے بولی تھی ۔

"جب تمہاری باری آئے گی تو پوچھوں گی کتنا لطف آتا ہے؟" زرمین کباب کھاتے ہوئے مسکرا کر بولی تھی مگر اس کو کیا پتہ تھا کہ اب نشانہ وہ خود ہی بن جائے گی۔

"میرا نمبر تو بہت بعد میں آئے گا، پہلے تو آپ اپنی خیر منائیں ،پھپھو آج اسی مقصد سے آئی ہیں ۔"

"اس لڑکی کے سامنے کوئی ڈھنگ کی بات نہیں کر سکتا ۔"

"ممی !آپ کو تو میرے خلاف بولنے کی عادت ہو گئی ہے، میں نے کچھ اپنی طرف سے کب کہا؟ یہ سب تو پھپھو ہی بھول رہی تھیں ۔" اُس نے تیسرا کباب اُٹھاتے ہوئے خفگی دکھائی تھی اور اُسی وقت اسجد اور نوید عالم آفس سے لوٹتے سیدھے لاؤنج میں ہی آئے تھے اور وہ نوید عالم کو دیکھ کر آدھا کھایا ہوا کباب واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے جانے کیلئے کھڑی ہو گئی تھی کیونکہ وہ آج کل ان سے ناراض تھی اور یہ ناراضی ظاہر کرنے کا اس کا اپنا انداز تھا۔محسوس تو فریدہ کے علاوہ سب ہی نے کیا تھا مگر کہا کسی نے کچھ نہیں تھا اور وہ لاؤنج سے نکل کر اپنے روم میں "اپنے روم میں چلی گئی تھی ۔

یوسف ساتھ نہیں آئے؟ انہیں بھی لے آتیں ۔"

"بھائی صاحب !ان کی طبیعت کچھ خراب تھی اس لئے نہیں آئے اور جبکہ میرا آنا بھی ضروری تھا ،مہوش نے فون کر کر کے میرا دماغ خراب کیا ہوا ہے، میں نے سوچا فون پر آپ لوگوں سے کیا بات کروں گی ،اسی بہانے ملنے آ گئی۔" فریدہ نے اپنی اکلوتی بچپن کی سہیلی کا نام لیا تھا اور اس نام سے سب ہی واقف تھے۔

" کیوں بھئی ... مہوش نے آپ کا کیوں دماغ خراب کیا ہوا ہے؟"

"زرمین !جا کر اپنے ابو کیلئے چائے لے آؤ ۔" فریدہ کی باتوں سے اندازہ لگاتے ہوئے ساجدہ نے زرمین کو وہاں سے ہٹانا چاہا تھا اور وہ چائے کے خالی کپ ٹرالی میں رکھتی اور برتن سمیٹ کر ٹرالی گھسیٹ کر وہاں سے نکل گئی تھی ۔

"بھائی صاحب !میری دوست مہوش اپنے بیٹے کیلئے زرمین کا ہاتھ مانگنے کیلئے یہاں آنا چاہتی ہے ۔" زرمین کے جانے کے بعد وہ بولی تھیں ۔

"اب آپ جو بھی کہیں گے ،ہاں ،ناں وہ میں اُسے بتا دوں گی ۔"

"مہوش کو تو ہم کافی عرصے سے جانتے ہیں ،وہ بہت چھوٹی عمر سے ہمارے گھر آتی رہی ہیں ،ان کی ایسی کوئی خواہش ہے تو آپ اُن کو بلا لیں ،آگے ہماری زرمین بیٹی کا نصیب ۔" انہوں نے لحہ میں مثبت جواب دے دیا تھا کیونکہ مہوش کی فیملی سے اُن کے فیملی ٹرمز تھے ،شادی سے پہلے بھی اور شادی کے بعد بھی ،وہ ان کی گھریلو تقریبات کا ہمیشہ سے حصہ رہی تھیں ۔" "مہوش فیاض کے دو بیٹے فضیل اور فیصل جبکہ ایک ہی بیٹی سحرش تھی ۔فیصل کی اپنے ماموں کی بیٹی سے بات طے تھی جبکہ فضیل کیلئے ہی مہوش ، زرمین کا ہاتھ مانگنا چاہتی تھیں فضیل آرکیٹکٹ تھا اور سحرش نے حال ہی میں انٹر سائنس کے پیپرز دیئے تھے۔فضیل فیاض تینوں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھا۔

☆☆☆

"حنین کہاں ہیں ،وہ کھانا نہیں کھا رہیں؟" نوید عالم نے چیئر سنبھالتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ابو! میں اُسے بلانے گئی تھی مگر اُس نے آنے سے منع کر دیا کہ اُسے بھوک نہیں ہے۔" شازمین نے بتایا تھا۔

"اُس نے دوپہر میں بھی یہی کہا تھا؟ زرمین! جاؤ ذرا بُلا کر لاؤ اُسے۔" راشدہ نے کہا تھا۔

"رہنے دیں آپا بیگم! جب کھانا ہوگا کھالے گی، زرمین! آ جاؤ بیٹا! تم کھانا کھالو۔"

"کوئی بات ہوئی ہے؟" نوید عالم نے بیوی سے پوچھا تھا تب ساجدہ بولی تھیں۔

"بات کیا ہونی ہے بھائی صاحب! دماغ خراب ہو گیا ہے اس لڑکی کا۔"

"آخر پتہ بھی تو چلے کہ حنین کہہ کیا رہی ہیں؟"

"بھائی صاحب! اُس کی ایک ہی رٹ ہے کہ آفس جوائن کرنا ہے، نرمی سے سمجھایا تو مانی نہیں سختی سے کہا تو دوپہر سے کمرہ بند کئے بیٹھی ہے، نہ کسی سے بات کر رہی ہے اور نہ ہی کچھ کھا رہی ہے، مجھے تو تنگ کر کے رکھ دیا ہے۔" ساجدہ کی آنکھوں سے آنسو پھسل پھسل کر گالوں پر گرنے لگے تھے۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا ساجدہ کہ حنین کے ساتھ سختی نہ کرو۔"

"میں بھی کیا کروں آپا بیگم! حنین کو میں نے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کم از کم گریجوایشن تو کرے، اس کے بعد آفس جوائن کر لے مگر اس کی ایک ہی ضد ہے کہ وہ ابھی آفس جوائن کرے گی، ناک پر مکھی تو بیٹھنے دیتی نہیں ہے جاب کیسے کرے گی؟" وہ بیٹی کی حرکتوں سے نالاں نظر آ رہی تھیں۔

"شازمین بیٹا! آپ جا کر بہن کو بلا کر لاؤ۔" شازمین خاموشی سے اُٹھ گئی تھی۔

"کہا ناں میں نے، مجھے کھانا نہیں کھانا ہے تو کیوں مجھے پریشان کر رہی ہیں؟" شازمین کے دروازہ بجانے پر وہ اندر سے چیخی تھی، دروازہ ہنوز بند تھا۔

"تمہیں ابو بُلا رہے ہیں، کم از اُن کی بات تو سن لو۔"

"مجھے کسی کی بھی بات نہیں سننی، جب کسی کو میری پرواہ نہیں ہے تو میں کیوں سب کی پرواہ کرتی پھروں' آپ چلی جائیں بجو! مجھے نہیں آنا ہے۔" "شازمین! کیا ہوا ہے، یہ حنین دروازہ کیوں نہیں کھول رہی؟" اسجد اپنے کمرے سے نکلا تھا اور شازمین کے سامنے آ رُکا تھا۔

"بھائی! حنین ناراض ہے اور غصہ میں اس نے کھانا پینا چھوڑا ہوا ہے۔"

"تم ہٹو، میں دیکھتا ہوں۔" شازمین کے سائیڈ میں ہوتے ہی اُس نے دروازہ پر زوردار دستک دی تھی۔

"شازمین بجو! مجھے تنگ مت کریں۔"

"حنین! دروازہ کھولو۔" شازمین کے بجائے اسجد برہمی سے بولا تھا۔

"آپ چلے جائیں اسجد بھائی!

"بار بار مجھے آپ لوگ تنگ کریں گے تو میں اپنے ساتھ کچھ غلط کر بیٹھوں گی۔" اس کی روتی ہوئی آواز ان کے کانوں تک آئی تھی اور اسجد کی برداشت ختم ہو گئی تھی؟ وہ کچھ دنوں سے اس کی حرکتیں دیکھ اور محسوس تو کر رہا تھا مگر کچھ کہا نہیں تھا کہ وہ اپنے کام سے کام رکھنے والا سنجیدہ مزاج کا حامل شخص تھا جب تک اس کی لاتعلقی ممکن ہوتی وہ لاتعلق رہتا تھا مگر جب انٹرفیئر کرنے کی ضرورت ہوتی تو ضرور کرتا تھا۔

"حنین! ایک منٹ میں تم نے دروازہ نہیں کھولا تو میں دروازہ توڑ دوں گا۔" وہ اسجد کے غصے سے ڈرتی تھی؟ اس وقت بھی اُس کے غصے کو محسوس کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"یہ کیا ڈرامہ ہے حنین! وہاں نیچے سب تمہارا ڈائننگ ہال میں انتظار کر رہے ہیں اور تمہارے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے ہیں۔"

"آپ کچھ نہیں جانتے اس لئے بیچ میں مت بولیں۔" وہ اُس کے تیز لہجے سے خائف سی ہو کر بولی تھی۔

"کیا نہیں جانتا؟ کچھ کہتا نہیں ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم جو چاہو کرتی رہو، جب ابو اور چچی نے تمہیں جاب کرنے سے منع کر دیا ہے تو کیوں ضد پر اڑی ہوئی ہو؟" تیکھے چتونوں سے اُس کے سلگتے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

"ضد پر میں نہیں تایا ابو اڑے ہوئے ہیں، دنیا کی کتنی ہی لڑکیاں جاب کرتی ہیں، ایک میں بھی کرلوں گی تو کون سی قیامت آ جائے گی؟""

"شٹ اپ حنین! مجھ سے زیادتی بدزبانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، شاز مین! اسے لے کر نیچے آؤ۔"
وہ انگلی اٹھا کر کہتا شاز مین کو آنے کا اشارہ کر کے کمرے سے نکلنے لگا تھا۔
"میں نہیں آؤں گی، آپ اپنا فیصلہ مجھ پر نہیں تھوپ سکتے۔"
"تم دو منٹ میں نیچے نہیں آئیں تو بتاؤں گا کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔" وہ غصے سے پیچ و تاب کھاتا وہاں سے نکل گیا تھا۔
"حنین! ضد نہیں کرتے، ابھی نیچے چل کر کھانا کھالو تم جو چاہتی ہو وہ قبل از وقت ہے، جب وقت آئے گا...!"
"مجھے کچھ نہیں سننا ہے، جس کو دیکھو مجھے وعظ سنانے بیٹھ جاتا ہے، لیکن میں بھی وہی کروں گی جو میں کرنا چاہتی ہوں کسی سے ڈرتی نہیں ہوں، کہہ دیجیے گا امجد بھائی سے کہ وہ آپ پر اور زرمین آپی پر دھونس جمایا کریں، میں اُن کی دھمکی میں آنے والی نہیں ہوں اور زیادہ ہی شوق ہو تو مائدہ آپا پر دھونس جمائیں، مجھ پر ہرگز نہیں۔" وہ روتے ہوئے غصے میں کہتی واش روم میں چلی گئی تھی اور شاز مین حیران سی ڈائننگ ہال میں آ گئی تھی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھی آ کر کسی کو بھی دیکھے بغیر اپنی مخصوص چیئر گھسیٹ کر اُس پر بیٹھ گئی تھی، کسی نے بھی اُس سے کچھ نہیں کہا تھا اور سب خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔
"بیٹا حنین! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" اُسے اُٹھتے دیکھ کر نوید عالم بولے تھے۔
"لیکن میں آپ سے کوئی بات...!"
"چچی! آپ بالکل پریشان نہ ہوں، ابو اس سے بات کر رہے ہیں نا۔"
"یہی تو مجھے ڈر لگ رہا ہے، دوپہر میں اس نے مجھ سے کتنی بدتمیزی کی اور میں نہیں چاہتی کہ وہی سب وہ بھائی صاحب کے ساتھ بھی کرے۔"
"آپ ایسے نہ سوچیں چچی! حنین کبھی بھی ابو سے بدتمیزی نہیں کرے گی۔" زرمین اُن کو پانی پلاتے ہوئے بولی تھی۔

☆☆☆

"حنین! میں نے کبھی آپ کی کوئی بات نہیں ٹالی، جو چاہا، جو مانگا سب آپ کو دیا اور آفس جوائن کرنے سے بھی میں آپ کو منع نہیں کر رہا، مگر ہر چیز اپنے وقت پر ہی اچھی لگتی ہے اور آپ کے پاس وقت ہی کتنا ہے؟ صرف 3 ماہ! اس کے بعد آپ کا رزلٹ آ جائے گا اور بی کام میں ایڈمیشن، ایڈمیشن کے بعد آپ آفس نہیں جا پاؤ گی، اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ گریجویشن کے بعد آپ آفس جوائن کرو۔"
"پھر تو میں گریجوایشن کے بعد بھی آفس جوائن نہیں کرسکتی، پھر مجھے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا ہوگا اور آپ کہیں گے کہ ماسٹرز کے بعد میں آفس آ سکتی ہوں، آپ چاہتے ہی نہیں ہیں کہ میں آفس جوائن کروں اور یہی بات آپ مجھے صاف کہیں، مجھے آسرے میں کیوں رکھ رہے ہیں؟ جھوٹی تسلیاں، جھوٹے آسرے نہیں چاہئیں مجھے۔" وہ بہت تلخی سے کہہ رہی تھی اور وہ ششدر سے بیٹھے اُسے سن رہے تھے، اس نے لاڈ پیار سے اُن سے کتنی ہی فرمائشیں اور بے جا ضدیں پوری کروائی تھیں مگر آج تو اس کا انداز ہی نیا تھا۔
"ہی فرمائشیں اور بے جا ضدیں پوری کروائی تھیں مگر آج تو اس کا انداز ہی نیا تھا۔
"میں جھوٹے آسرے نہیں دے رہا، مجھے منع کرنا ہوتا تو صاف کرتا، یہ میری ڈھیل ہی ہے حنین! جو آپ اس طرح بحث کر رہی ہیں۔"
"بحث کیلئے بھی آپ نے ہی مجھے مجبور کیا ہے، آپ میرے تایا ہیں ناں اس لئے مجھے سمجھنا ہی نہیں چاہتے، آپ کی جگہ میرے ابو ہوتے تو وہ ضرور سمجھتے کہ میں کیا چاہتی ہوں، مگر آپ لوگ چاہتے ہی نہیں ہیں۔"

اسجد بھائی نے میری کتنی انسلٹ کی، اتنے بُرے لہجے میں مجھ سے بات کی، مجھے بُری طرح ڈانٹا اور میں کسی کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتی، یتیم ہوں ناں یتیموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے، جیسا میرے ساتھ کیا جا رہا ہے۔" اس کی باتیں اور اس کا ہچکیوں سے رونا، نوید عالم ششدر سے بیٹھے رہ گئے تھے۔

"حنین! ایسا کیوں سوچتی ہیں آپ بیٹا! کیا میں آپ کا ابو نہیں ہوں؟" وہ اس کا ہاتھ تھام کر دل گرفتگی سے بولے تھے، جو بھائی انہیں بہت عزیز تھا یہ اسی کا خون تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئیں اس لئے انہوں نے اسے اپنے بچوں سے زیادہ چاہت و توجہ دی مگر اس کی باتوں سے ڈر لگا تھا کہ ان کی شفقت و محبت ہی بے معنی سی تھی۔

"نہیں، آپ صرف میرے تایا ابو ہیں، میرے ابو مر گئے ہیں، ممی کہتی ہیں میں آپ سے فرمائشیں نہیں کیا کروں، مجھے آپ سے لاڈ بھی نہیں کرنے چاہئیں، اس لئے میں جاب کرنا چاہتی ہوں، میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔"

"ہم نے کب کہا کہ آپ ہم پر بوجھ ہیں؟" وہ حیران ہی تو رہ گئے تھے۔

"ممی کہتی ہیں، یہی آپ کا احسان ہے کہ آپ نے ہمیں گھر میں جگہ دی، مجھے پڑھایا لکھایا اور میں اب آپ کے احسان اُتارنا چاہتی ہوں، میں اپنے پیروں پر کھڑی ہونا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ مجھے آفس ورک آجائے تا کہ مجھے کہیں بہت اچھی جاب مل جائے، آپ مجھے اپنے آفس میں جاب نہیں دے سکتے تو مجھے کہیں اور جاب کرنے کی اجازت دے دیں، میں جاب کرنا چاہتی ہوں، مگر آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی اسی لئے آپ کے آفس میں کام کرنے کا سوچا ورنہ میں جانتی ہوں کہ میری ایجوکیشن ان کمپلیٹ ہے اور مجھے جاب نہیں مل سکتی، آپ نے ابو کی موت کے بعد مجھ پر اتنے احسان کئے، ایک احسان اور کر دیں، مجھے جاب کرنے کی اجازت دے دیں۔" انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی انہوں نے کبھی بھی تو اُسے غیر نہیں سمجھا تھا، اُس سے محبت کی تھی، احسان سمجھ کر اس کی پرورش نہیں کی تھی بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کی تھی جسے وہ اتنی آسانی سے احسان کا نام دے گئی تھی۔

"آپ جیسا سوچتی ہو یا ساجدہ جیسا سوچتی ہیں ایسا میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا، اس لئے فضول باتوں کو ذہن سے نکال دیں حنین! مجھے آپ زرمین اور شازمین کی ہی طرح عزیز ہو اور آپ جاب کرنا چاہتی ہو تو مجھے اعتراض نہیں ہے، آپ کل سے آفس جوائن کر

"انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی انہوں نے کبھی بھی تو اُسے غیر نہیں، آپ کل سے آفس جوائن کرلو۔" انہوں نے اُس کے سر پر دستِ شفقت رکھا تھا اور وہ اُن کے سینے سے لگ کر بلک اُٹھی تھی، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اب اُن میں حوصلہ نہیں تھا اُس کا دل دکھانے والی باتیں سننے کا، اس لئے وہ شازمین کو آواز دینے لگے تھے اور کچھ ہی دیر میں وہ وہاں چلی آئی تھی۔

"شازمین! بہن کو کمرے میں لے کر جائیں اور کھانا بھی یاد سے کھلا دیں، ڈائننگ ٹیبل پر حنین نے کھانا نہیں کھایا تھا۔" لہجے میں سنجیدگی سی تھی۔

"تایا ابو!"

"اوہوں، کچھ مت کہیں بیٹا! آپ جو کہنا چاہتی تھیں وہ سمجھ گیا ہوں؟ یو ڈونٹ وری۔ کل سے یا جب چاہیں آفس آسکتی ہیں۔"

"آپ ناراض تو نہیں ہیں؟" خیال آنے پر پوچھا تھا۔

"نہیں، میں اپنی بیٹی سے ناراض نہیں ہوں اور یہی چاہتا ہوں کہ میری بیٹی ہمیشہ خوش رہے۔" وہ بدقت تمام مسکرائے تھے، شازمین کو کچھ غیر معمولی سا لگا تھا مگر باپ سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہو سکی تھی اس لئے دل میں الجھن لئے وہ حنین کا ہاتھ تھامے اُن کے روم سے نکل گئی تھی۔ اس نے حنین کو اُس کے کمرے میں چھوڑا تھا اور کچن میں آ گئی تھی، کھانا گرم کر کے حنین کو کھلایا تھا اور برتن دھو کر وہ کچن سے نکل رہی تھی کہ اسجد کو دیکھ کر ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔

''اسجد بھائی ! کچھ چاہئے تھا آپ کو؟'' 'مجھے کچھ پوچھنا ہے شاز مین !'' اُس نے بہن کو بیٹھنے کیلئے اشارہ کرتے ہوئے کہا اور وہ سوالیہ نگاہوں سے اسجد کو دیکھنے لگی تھی ۔ میں ابو سے کوئی فائل ڈسکس کرنے گیا تھا کل پریزنٹیشن ہے اور ذرا سی کوتاہی سے لاکھوں کا کونٹریکٹ ہمارے ہاتھوں سے نکل سکتا ہے اس کے باوجود ابو نے مجھے اچھا رسپانس نہیں دیا وہ مجھے بہت پریشان اور دکھی لگ رہے تھے کیا تم جانتی ہو ابو اور حنین کے درمیان کیا باتیں ہوئیں؟ ہو نہ ہو حنین ہی ابو کی پریشانی کی وجہ ہے ۔'' مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے بھائی ! کہ حنین سے اُن کی کیا بات ہوئی ؟ جب ابو نے مجھے بلایا تھا حنین اُن کے کندھے سے لگی بری طرح رو رہی تھی ابو نے کہا کہ میں حنین کو کمرے میں لے جاؤں حنین کچھ کہنا چاہتی تھی جس کا ابو نے اُسے موقع نہیں دیا اور اس سے کہا کہ وہ جب چاہے آفس جوائن کر سکتی ہے ۔ ''واٹ ... !ابو نے حنین کو آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی مگر کیوں؟'' 'میں خود نہیں جانتی ایک دفعہ میں نے بھی ابو سے اس سلسلے میں بات کی تھی مگر ابو نے سختی سے منع کر دیا تو میں نے یہ چیپٹر ہی کلوز کر دیا مگر اب حنین کو ابو نے اجازت دی ہے تو میں وجہ نہیں سمجھ پا رہی اور ابو مجھے بھی کافی اپ سیٹ لگ رہے تھے بھائی ! کہیں چچی کا خدشہ صحیح تو نہیں تھا؟'' وہ کچھ خیال آنے پر اُسے دیکھتے ہوئے بولی تھی ۔نہیں تھا؟'' وہ کچھ خیال آنے پر اُسے دیکھتے ہوئے بولی تھی ۔

میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا؟'' بھائی ! چچی کہہ رہی تھیں ناں کہ حنین نے اُن سے بدتمیزی کی تھی تو کہیں اُس نے ابو سے بھی بدتمیزی تو نہیں کی؟ اور اسی لئے ابو نے اُسے اجازت دے دی ورنہ تو میں نے خود امی اور ابو کی باتیں سنی تھیں ابو کہہ رہے تھے کہ وہ حنین کو کبھی اجازت نہیں دیں گے جیسے مجھے نہیں دی تھی کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیاں ورکنگ وومن بنیں امی نے کہا تھا کہ پھر آپ نے صاف منع کیوں نہیں کیا؟ تو ابو بولے کہ گریجویشن کے بعد وہ حنین کی شادی کر دیں گے اور اس کی طبیعت میں ضد ہے اس لئے انہوں نے وقتی طور پر حامی بھر لی ہے تا کہ وہ یکسوئی سے اپنی تعلیم مکمل کر لے ۔'' شاز مین نے اچانک سن لینے والی باتوں کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی ۔ 'حنین کافی منہ پھٹ اور بدتمیز ہے یقیناً اس نے ابو سے بدتمیزی کی ہے اور اگر واقعی ایسا ہوا تو حنین کے حق میں اچھا نہیں ہوگا ۔'' اُس کا غصہ عود کر آیا تھا ۔ 'بھائی ! آپ غصہ نہیں کریں حنین اس طرح آپ سے خائف ... !'' 'مجھے کسی کی بھی ناراضی کی فکر نہیں ہے وہ اس گھر کی بیٹی ہے اور اُسے باقی بیٹیوں کی طرح ہی زندگی گزارنا ہوگی اسے ہم من مانیوں کی اجازت نہیں دے سکتے کسی بھی وجہ سے ابو نے اُسے آفس جوائن کرنے کی اجازت دے دی ہو مگر میں خود ابو سے بات کروں گا وہ آفس نہیں جائے گی ۔تم اٹھو جا کر سوؤ ہر وقت گھن چکر بنی رہتی ہو کچھ ذمہ داریاں اُسے بھی دو گھر سنبھلتا نہیں ہے محترمہ آفس سنبھالنے چلی ہیں ۔'' وہ غصے سے تن فن کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا اور شاز مین پریشانی سے وہیں بیٹھی رہ گئی تھی ۔

''☆☆☆

'' آج کل کہاں غائب ہو، دکھائی ہی نہیں دیتے ؟'' مصروفیت ہی ایسی رہی پاپا کو انجائنا کا اٹیک ہوا تھا ۔''

کیا ... کب؟ اور کسی نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا ۔'' ارحم اُسے تیز نگاہوں سے گھور رہا تھا ۔
'میں نے تمہیں جان کر ڈسٹرب نہیں کیا، کیونکہ تم نے حال ہی میں اپنی پوسٹ سنبھالی ہے میں نے سوچا تم مصروف ہو گے کچھ دنوں سے تم نے کوئی کال یا میسج بھی تو نہیں کیا تھا اسی لئے میں نے تمہیں پریشان نہیں کیا مگر تم فکر مند نہ ہو پاپا اب بالکل ٹھیک ہیں یاد کر رہے تھے تمہیں فرصت ہو تو آ جا ۔'' 'تُف ہے تجھ پر فضیل ! اب مجھ سے اتنا فارمل ہو کر بات کرے گا تیرا دماغ تو ٹھکانے پر ہے؟'' ارحم نے غصے سے کہتے ہوئے آدھا بھرا ہوا گلاس اُسکے سر پر ڈال دیا تھا ۔ٹھنڈ لگنے سے کھلا کچھ دماغ کہ میں تیرا بچپن کا دوست ارحم الحسن ہوں ۔'' وہ بہت ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا اور فضیل اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا تھا ۔

’میرا نہیں دماغ تیرا خراب لگ رہا ہے جناب انسپکٹر ہوتے ہیں اور حرکتیں بالکل بچوں والیں ۔“

اوئے گھامڑ ! یہ تشدد کا سب سے آسان طریقہ ہے پانی ڈالنے سے سمجھ نہیں آیا تو بال کھینچ کر بتاؤں؟“ اب کے وہ مسکرا کر بولا تھا۔

اپنے تشدد کے طریقے اپنے پاس رکھ اور شرافت سے کچھ آرڈر کر سخت بھوک لگ رہی ہے۔ تیرا جب فون آیا میں گھر کیلئے ہی نکل رہا تھا اس لئے یہاں آ گیا اور تو ہے کہ مجھ پر ہی اپنی انسپکٹری کے جوہر دکھانے لگا۔ ”بتاؤ کیا آرڈر کرنا ہے بچپن سے تو ندیدہ واقع ہوا ہے کھانے کا شوق ہے مگر بل بھرنے کا موصوف کو ذرا سا بھی خیال نہیں آتا۔“ ویٹر کو اشارہ کیا تھا جبکہ فضیل ڈھٹائی سے ہنس دیا تھا کیونکہ ارحم نے کہا بالکل ٹھیک تھا کہ بل ہمیشہ ارحم ہی پے کرتا تھا وہ تو نت نئی ڈشز آرڈر کرتا رہتا تھا کیونکہ وہ کھانے پینے کا بے حد شوقین تھا۔ ’پچھلے دنوں میں ایک کیس کے سلسلے میں دیر تک مصروف رہا رات گئے گھر آیا تھا ورنہ ماما ضرور انکل کی طبیعت کا بتاتیں۔“ آنٹی راحم کے ساتھ تمھیں پاپا کو دیکھنے تب انہوں نے تمہاری مصروفیت کا بتایا تھا اسی لئے میں نے تم سے کوئی ذکر نہیں کیا۔‘ وہ برگر سے انصاف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

’فضیل ! میری سمجھ میں نہیں آتا تو کھا اور بول ایک ساتھ کیسے لیتا ہے؟ مجھ سے کبھی نہیں ہوتا۔“ وہ اس کی اسپیڈ سے پریشان ہوا تھا۔

پولیس لائن میں آ گیا ہے نا تو اب ہو جایا کرے گا۔“ اس نے چھیڑا تھا۔

”تو کون سے جنم میں حوالدار تھا جو ایسے کہہ رہا ہے؟“ وہ تپ گیا تھا۔ یار ! میرے تو پورے خاندان میں کوئی حوالدار نہیں گزرا ہاں مما بتاتی ہیں ان کی بیسٹ فرینڈ کا بیٹا ضرور حال میں ہی حوالدار مقرر ہوا ہے ۔“ وہ جو بڑے غور سے اُس کی بات سن رہا تھا آخر میں اُس کی بات کا مطلب سمجھ کر اُسے گھورنے لگا تھا اور اُس نے زبردست قہقہہ لگایا تھا جس کی وجہ سے کتنے ہی لوگ ان کی ٹیبل کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

گدھوں کی طرح ہنسنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تیرا بیڈ روم نہیں پبلک پلیس ہے۔“ ہاں یار ! تو نے ٹھیک کہا مگر آج کل مجھے میرا بیڈ روم بھی کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔“ ارحم نے اُسے احساس دلانا چاہا تھا تب اس نے معصومیت طاری کی تھی جبکہ اس کے تو خاک بھی پلے نہیں پڑا تھا۔ میں تیری اس بکواس کا مطلب نہیں سمجھا۔‘

”یار ! صاف بات ہے اس کمرے میں اکیلے رہتے ہوئے تو زندگی گزر گئی اب تو بس یہی خواہش ہے کہ میرے کمرے کے ساتھ میرے وجود کو آباد کرنے والی جلدی سے آ جائے۔“ اس نے ایک ادا سے کہتے ہوئے کولڈ ڈرنک کے سپ لینا شروع کر دیئے تھے۔

”مجھے تو اُس بے چاری کے حال پر ابھی سے ترس آنے لگا ہے جو تیری بیوی بنے گی روز ہی رویا کرے گی بے چاری۔“

”اللہ نہ کرے روئیں اُس کے دشمن یار ! یہ دعا تو مت دے۔“ سوری فضیل ! میں تو بس مذاق کر رہا تھا میں بد دعا نہیں دے رہا تھا کیا میں تجھے بد دعا دے سکتا ہوں؟““ او میرے یار ! ایک دم سٹریس مت ہو جایا کر میں بھی مذاق کر رہا تھا اور ذرا ویٹر کو بلا کر پزا تو آرڈر کر دے۔“ اُس کی فرمائش پر اس نے ویٹر کو ایک بار پھر اشارہ کیا تھا۔ فضیل ! تو نے کبھی بتایا نہیں وہ لڑکی آخر ہے کون جس سے تو محبت کرتا ہے؟“ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اُس نے استفسار کیا تھا۔‘ ہے ایک پیاری سی نازک سی لڑکی جو تیرے یار کے دل میں دھڑکن بن کر دھڑکتی ہے۔“ اس کے لبوں پر بڑی ہی خوبصورت مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

وہی پوچھ رہا ہوں وہ کون ہے؟ زرمین عالم۔“ نام سنتے ہی ارحم کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا اور وہ بڑی ہی حیرانگی اور ناگواری سے فضیل کو دیکھنے لگا تھا۔

تیری آنکھوں میں لکھی ناگواری کی تحریر سے بچنے کیلئے ہی میں نے کبھی تجھے نام نہیں بتایا جب کہ میں نے

محبت کی ہر شدت تجھ سے شیئر کی ہے میں جانتا ہوں ارحم! کہ زرمین تیری کزن ہے اور عزت و غیرت دار بھائیوں کیلئے کسی غیر مرد کے منہ سے اپنی بہن کا نام سننا ممکن ہی نہیں ہوتا اور باخدا میں آج بھی تجھ سے کچھ نہ کہتا مگر اب میرا زرمین سے شرعی رشتہ جڑنے والا ہے اس لئے مجھے کچھ بتانا معیوب نہیں لگا۔"

تو کیا کہہ رہا ہے یا کہنا چاہتا ہے؟ میں بالکل نہیں سمجھا۔" کیا مطلب... کیا تجھے نہیں پتہ کہ زرمین کی مجھ سے شادی ہونے والی ہے؟" اُس کے نفی میں سر ہلا دینے پر اُس کی حیرانگی بڑھ گئی تھی۔

مجھے واقعی ایسی کسی بات کا علم نہیں ہے۔" وہ زور دے کر بولا تھا۔' کل ہی تو تمہارے ماموں جان نے ہمیں مثبت جواب دیا ہے اور انہوں نے کہا کہ منگنی وغیرہ سے بہتر 3 ماہ بعد شادی۔"

ادھوری نہیں... پوری بات تفصیل سے بتاؤ۔" ارحم نے اُسے ٹوکا تھا اور وہ اُسے تفصیل بتانے لگا تھا۔تم تو جانتے ہو ارحم! کہ فیصل کی بات ماموں کی بیٹی سمیرا سے طے ہے اور ممانی کی ڈیتھ کو کافی عرصہ ہو گیا ہے اور آج کل ماموں جان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی بس اسی لئے وہ شادی پر زور ڈال رہے تھے کہ ان کیا کلوتی بیٹی کی شادی ان کی زندگی میں ہی ہو جائے بس اسی لئے مما میرے سر پر سوار ہو گئیں کہ میں شادی کیلئے حامی بھر لوں کیونکہ وہ ہم دونوں بھائیوں کی شادی ساتھ کرنا چاہتی ہیں ویسے بھی فیصل مجھ سے چھوٹا ہے اور مجھ سے پہلے اس کی شادی وہ کرنا نہیں چاہتیں اسی لئے مما نے کہا مجھے کوئی پسند ہے تو میں بتا دوں ورنہ وہ خود میرے لئے لڑکی پسند کر لیں گی اور میں نے زرمین کا نام لے دیا اور مما وہ تو فوراً ہی راضی ہو گئیں اُسی وقت تمہاری مما کو فون کیا کہ وہ تمہارے ماموں سے میرے رشتے کی بات کریں 3 دن بعد ہی آنٹی کا فون آ گیا کہ مما باقاعدہ میرا رشتہ لے کر تمہارے ماموں کے گھر چلی جائیں اور آج سے 2 دن پہلے ہی مما زرمین کا رشتہ لے کر گئیں جو اُسی وقت منظور ہو گیا تمہارے ماموں جان کی مرضی تھی کہ ابھی منگنی ہو جائے سال بھر بعد شادی مگر ماموں کی طبیعت کے پیش نظر تمہارے ماموں راضی ہو گئے کل ہی تو تمہاری مما نے فون کر کے کہا ہے کہ 3 ماہ بعد کی ڈیٹ فکسڈ کر لیتے ہیں۔" فضیل نے تمام تر تفصیل بتائی تھی۔

اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں۔ "تیری مصروفیت...!" کہیں کا وزیر اعظم نہیں لگ گیا ہوں جو مجھے ذرا سی بھی فرصت نہیں ہے مجھے ہر بات سے ایسے بے خبر رکھا گیا جیسے میرا کسی سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔" ارحم کو حقیقتاً دکھ پہنچا تھا۔تو فضول میں بدگمان ہو رہا ہے ارحم! ورنہ جو کچھ ہوا وہ محض 3 دنوں میں ہی ہوا اور میں نے تجھ سے کبھی کچھ نہیں چھپایا تو اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی تجھ سے کیوں چھپاتا؟ مگر تو ہرٹ ہوا ہے تو آئی ایم سوری ارحم! مجھے تیری ناراضی کی فکر نہ ہوتی تو میں تجھے ضرور بتاتا کہ زرمین کیلئے میں کس طرح سے سوچتا ہوں رئیلی ویری سوری!" فضیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا اور وہ ہلکے سے مسکرا دیا تھا۔'اٹس اوکے لیکن تجھے کیا لگتا ہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ تو زرمین کو پسند کرتا ہے اتنا بے وقوف نہیں ہوں سب خبر تھی مجھ کو کہ تیرے کیا ارادے ہیں۔" وہ فضیل کو تیکھی نگاہوں سے دیکھ کر بولا تھا۔

'تو نے کبھی ظاہر نہیں کیا۔" وہ متحیر ہوا تھا۔'جب تو نے مجھے نہیں بتایا تھا تو میں کیوں ظاہر کرتا کہ میں تیرے بتائے بغیر بھی تیرے دل کی بات جان گیا ہوں اور احسان مان میرا کہ میں نے تیرے عشق کی نیا کو ڈوبنے سے بچا لیا۔" فضیل اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔مما زرمین کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں۔"واٹ...؟"اس کے انکشاف پر وہ بری طرح چلایا تھا۔

"جب تو نے مجھے نہیں بتایا تھا تو میں کیوں ظاہر کرتا ہاں تیرے بتائے بغیر بھی تیرے دل کی بات جان گیا ہوں اور احسان مان میرا کہ میں نے تیرے عشق کی نیا کو ڈوبنے سے بچا لیا۔" فضیل اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔'مما زرمین کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں۔"واٹ...؟'اس کے انکشاف پر وہ بری طرح چلایا تھا۔تھا ورنہ مجھے تو کوئی لڑکی پسند نہیں تھی میں نے مما کی پسند کی لڑکی پر سر جھکا دینا تھا اور تو نے ناکام عاشق بن جانا تھا منہ سے پھر بھی کچھ نہ کہتا مجھے رقیب سمجھ کر رات دن کوستا رہتا۔پھر کہاں کا دوست اور

کہاں کی یاری؟" اس نے زبردست طریقے سے فضیل کو لتاڑا تھا۔

دوست ہو تو تیرے جیسا جیو میرے یار! ویسے یہ بتا کہ میری پسند ہے نا لاجواب؟" وہ کہاں زیادہ دیر سنجیدہ رہ سکتا تھا۔

ہاں تمہاری پسند واقعی لاجواب ہے زرمین لاکھوں میں ایک لڑکی ہے اور کان کھول کر سن لے تو نے میری بہن پر ظلم کرنے کی کوشش کی تو حوالات میں بند کردوں گا۔" اس نے اپنی وردی کا رعب جھاڑا تھا۔

آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر سالے صاحب! میری یہ مجال کہ میں ایک انسپکٹر کی بہن پر ظلم وستم کروں معافی دیدو دیدو سرکار!" اس نے ہنستے ہوئے مسخرے پن سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے تھے اور اس نے بھی جواباً ہنستے ہوئے ہاتھ کا مکا سا بنا کر اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر مارا تھا۔ 'یار! میں بہت خوش ہوں مگر یہ نہیں جانتا کہ زرمین میرے بارے میں کیا سوچتی ہے وہ اس رشتے سے خوش ہے بھی یا نہیں؟"

نئی فکر لاحق ہوئی تھی۔ تو زیادہ کیوں سوچتا ہے جب اتنے برس انتظار کیا ہے تو 3 ماہ اور سہی بتا دینا اسے اپنی محبت کی داستان اور اس کی شدت اور ویسے بھی لڑکیاں تو ہوتی ہی بہت معصوم ہیں جہاں ان کے پیرنٹس شادی کردیتے ہیں کر لیتی ہیں اور جس سے شادی ہوئی ہو وہ ناپسند بھی ہو تب بھی خود کو اس کی پسند کے

سانچے میں ڈھال کر تن و من سے صرف اسی کی ہو جاتی ہیں۔" تجھے بڑا ایکسپیرئنس ہے کسی کو کہیں تو دل تو نہیں دے بیٹھا بتا کون ہے؟" اس 'میری زندگی میں ابھی تک کوئی لڑکی نہیں ہے جب کبھی دل سے کسی کا گزر ہوا تو سب سے پہلے تجھے ہی بتاؤں گا۔" سچائی سے کہا تھا۔ 'میرا خیال ہے تجھے بھی اب سیریس ہو جانا چاہئے کیونکہ میرا نہیں خیال کہ آنٹی تیری شادی سے پہلے راحم کی شادی کریں گی۔"

یار! میں شادی سے انکار نہیں کرتا مگر ابھی بالکل نہیں کرسکتا ابھی تو میرا کیریئر شروع ہوا ہے مجھے ابھی اپنی پہچان بنانی ہے کم از کم 4 سال تک تو میں شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا اور اس سلسلے میں میری مما سے بات ہو چکی ہے اس لئے وہ راحم کی شادی کردیں گی اور جہاں تک میری بات ہے اگر کوئی پسند آ گئی تو مما کو بتا دوں گا اور نہیں آئی تو مما کی پسند کی لڑکی سے شادی کر لوں گا۔" اس نے بات ہی ختم کردی تھی اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے جانے کیلئے اٹھ گئے تھے۔ انہوں نے ایک بھرپور شام ایک ساتھ گزاری تھی اور یہ بہت دنوں بعد ہوا تھا ورنہ روز ہی اس طرح گھنٹوں کیلئے ملا کرتے تھے۔

☆☆☆

اتنی صبح کہاں جانے کی تیاری ہے؟" اسجد نے نک سک سے تیار حنین کو دیکھ کر استفسار کیا تھا۔ وہ اپنی معمول کی تیاری سے بہت ڈیفرنٹ تیار ہوئی تھی کیونکہ وہ عموماً ڈارک کلرز پہنتی تھی جبکہ اس وقت اس نے لائٹ

آسمانی کلر کا کاٹن کا سوٹ پہنا ہوا تھا جس پر فیروزی کلر سے ہاتھ کی کڑھائی کی گئی تھی اور لائٹ نیچرل میک اپ "میں اس کے خوبصورت نین نقش ابھر کر اس کو مزید خوبصورت بنا رہے تھے۔

اسجد بھائی! آج آفس میں میرا فرسٹ ڈے ہے میں آج سے آفس جوائن کر رہی ہوں۔" اس نے سلائس کترتے ہوئے بتایا تھا۔

تم آفس نہیں آؤ گی۔" وہ قطعیت سے بولا تھا۔

'آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے، میں تایا ابو سے اجازت لے چکی ہوں۔"

میں ابو سے بات کرلوں گا مگر تم سن لو کہ تم گھر میں رہو گی آفس جوائن نہیں کرو گی۔" وہ ناشتہ کئے بغیر کرسی کھسکا کر اسے گھورتا ہوا اٹھ گیا تھا اور اسی وقت ساجدہ کچن سے نکل کر آئی تھیں۔

اسجد بیٹا! تم ناشتہ کر لو اس لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔" قطعی نہیں چچی! ابو نے اس کو اجازت دے کیسے دی؟"

'آپ جا کر خود ان سے پوچھ لیں اور میں آفس ضرور آؤں گی آپ مجھے روک نہیں سکتے۔" وہ آرام سے ناشتہ ختم کر رہی تھی۔

میں بھی دیکھتا ہوں تم کیسے آفس آتی ہو۔" وہ غصے سے کھولتا پلٹا تھا کہ باپ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

"اسجد! ناشتہ کر لیا؟" راشدہ نے پوچھا تھا مگر اس نے جواب دینے کے بجائے باپ سے پوچھا تھا۔

ابو! آپ نے اسے آفس جوائن کرنے کی اجازت کیوں دی؟" "تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" وہ بیٹے کے غصے کو کسی خاطر میں نہیں لائے تھے۔ ابو مجھے اعتراض ہے حنین آفس نہیں آئے گی۔"

میں حنین کو اجازت دے چکا ہوں۔" "آپ نے شاز مین کو تو اجازت نہیں دی تھی پھر حنین کو کیوں دی؟"

"تمہیں صرف اس لئے اعتراض ہے کہ میں نے شاز مین کو اجازت نہیں دی تھی؟"" یہ بات نہیں ہے ابو! کیونکہ میرے لئے جیسی شاز مین ہے ویسی ہی حنین بھی ہے اور مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میری بہن نوکری کرے۔" میں کہیں اور جاب نہیں کر رہی اپنے خاندانی بزنس...!

"جاب جاب ہوتی ہے حنین! اور یہ میں نہیں چاہتا کہ تم آفس آؤ۔" مگر میں آؤں گی کیونکہ اگر بزنس پر آپ کا حق ہے تو میں بھی اس بزنس پر پورا حق رکھتی ہوں ابو کی تمام پراپرٹی کی میں اکیلی وارث ہوں۔"

وہ بے سوچے سمجھے کہتی سب کو حیرانگی کے اتھاہ سمندر میں اتار گئی تھی۔ 'حنین! تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی ایسی گری ہوئی بات کرنے کی؟" ساجدہ نے غصے سے اسے تھپڑ کھینچ مارا تھا سب جو اس کی بات کے اثر سے ہی نہیں سنبھلے تھے کہ ساجدہ کا اقدام انہیں مزید حیران کر گیا تھا۔ خبردار! جو ایسا کچھ منہ سے نکالا۔ بھائی صاحب کے ہم پر احسانات کم نہیں ہیں اور تم احسان فراموش...!" انہوں نے دوبارہ ہاتھ اٹھایا تھا کہ راشدہ

بیچ میں آ گئی تھیں۔ 'ساجدہ! پاگل ہو گئی ہو؟"

اس لڑکی نے مجھے پاگل ہی تو کر دیا ہے اتنی محبتوں کے صلے میں یہ آپ لوگوں کو کیا دے رہی ہے؟" وہ

افسوس اور تاسف بھری نگاہوں سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ اور میرا فیصلہ بھی نہیں بدلے گا تم آفس میں قدم بھی نہیں رکھو گی۔" وہ اسے تیز نظروں سے دیکھتا اپنا بریف کیس اٹھائے باہر نکل گیا تھا۔ دیکھ لیا تم نے زندگی میں پہلی دفعہ اسجد صرف تمہاری وجہ سے بھوکے پیٹ غصے میں نکلا ہے میں تمہیں"...

ساجدہ! بات کو بڑھانے سے فائدہ نہیں ہے۔" انہوں نے ساجدہ کو قابو کیا تھا جو بیٹی کو مارنے کیلئے لپکی تھیں۔

تایا ابو! جب آپ نے خود مجھے اجازت دی ہے تو اسجد بھائی مجھے کیسے منع کر سکتے ہیں؟" حنین! آپ اس وقت اپنے کمرے میں جاؤ میں اسجد کو سمجھاؤں گا۔" لیکن تایا ابو! آج مجھے آفس جوائن کرنا تھا آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔" حنین! تم سے نوید نے کچھ کہا ہے تمہیں سنائی نہیں دیتا؟" راشدہ کے ڈپٹنے پر وہ بات روک گئی تھی۔

آج نہیں تو کل لیکن مجھے ہر حال میں آفس جوائن کرنا ہے اسجد بھائی نہیں چاہتے کہ میں آفس جاؤں تو میں کہیں اور جاب ڈھونڈ لوں گی مگر یہ تو طے ہے کہ مجھے جاب کرنی ہے۔" وہ بات مکمل کر کے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی جبکہ اس کی اتنی بدتمیزی پر سب ہی حیران رہ گئے تھے۔ آپ سب لوگوں سے میں بے حد شرمندہ ہوں مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ابھی اتنی بدتمیزی جو کر کے گئی ہے وہ میری ہی بیٹی ہے مجھے اندازہ ہی نہیں

تھا کہ میری بیٹی بڑی ہو کر اس قدر بدلحاظ و بدتمیز ہو جائے گی۔"""" وہ کسی کو بھی دیکھے بغیر کہہ کر روتی ہوئیں وہاں سے ہٹ گئی تھیں آج صحیح معنوں میں انہیں شوہر کی کمی محسوس ہوئی تھی کمرے میں آ کر بھی وہ کتنی ہی دیر روتی رہی تھیں۔

☆☆☆

اسجد 'آپ میری کال ریسیو کیوں نہیں کر رہے؟" اسجد کا آج دماغ گھوما ہوا تھا وہ ورکرز کے ساتھ اونچی

آواز اور سختی کا قائل ہی نہیں تھا مگر آج جو کچھ ناشتے کی ٹیبل پر ہوا اس کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا؟ وہ اپنے اسسٹنٹ اور پرسنل سیکرٹری کو بھی ڈانٹ چکا تھا؟ وہ پہلے ہی غصے میں تھا اور مستقل آتی کال اس کے غصے میں اضافے کا باعث بن رہی تھی؟ اس نے طیش کے عالم میں موبائل دیوار پر مارنا چاہا تھا کہ میسج ٹون بجی تھی اور نجانے کیا سوچ کر اس نے میسج اوپن کیا تھا۔

"آپ نے میری کال ریسیو نہیں کی تو میں آپ سے اتنی دور چلی جاؤں گی کہ آپ میری آواز سننے اور شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گے۔" میسج پڑھنے کے بعد خود بخود اس کی انگلیاں کال ملانے لگی تھیں۔

"ہیلو!" بڑی بے قراری سے کہا گیا تھا۔

"فارغ نہیں بیٹھا تھا کہ تمہاری کال فوراً ریسیو کر لیتا ہزاروں کام ہوتے ہیں۔"

"آپ مجھ سے اس طرح بات کیوں کر رہے ہیں؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے میرا، اور بس ...! تم کہو ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ اسی وقت بات کرنا تھی اور میسج میں کیا بکواس لکھی تھی؟"

"وہ بکواس نہیں تھی، خالہ جان میری شادی کر رہی ہیں اور میں صرف آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں اسجد! آپ اپنے پیرنٹس کو میرا رشتہ لے کر بھیجیں۔"

"جہاں تمہارے گھر والے تمہاری شادی کر رہے ہیں وہیں خاموشی سے شادی کر لو۔" یہ بات اس نے جس طرح کہی تھی یہ وہی جانتا" اور فون کی دوسری جانب موجود یسریٰ کانپ ہی تو گئی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"سنائی نہیں دیا تھا تو ایک بار پھر کہہ دیتا ہوں، میرا خیال دل سے نکال کر جس سے خالہ تمہاری شادی کریں کر لو، میرے پیرنٹس تمہارے گھر نہیں آئیں گے۔"

"لیکن کیوں اسجد؟ آپ نے تو کہا تھا آپ اپنے پیرنٹس ...!" "وہ سب جھوٹ تھا بکواس تھی۔"

آپ مجھ سے فلرٹ کر رہے تھے؟" اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی تھی۔

"یہی سمجھ لو اور آئندہ اس نمبر پر کال"...

"آپ بھلے مجھ سے فلرٹ کر رہے ہوں، مگر میں نے آپ سے سچی محبت کی ہے۔" قصے کہانیوں کی روداد مجھے مت سناؤ۔"

"آپ کو میری محبت جھوٹی داستان لگتی ہے، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ایسا کریں گے۔"

"اب پتہ چل گیا ہے ناں، تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"مجھ سے پیچھا چھڑانے کی بہت جلدی ہے ناں آپ کو، تو میری بھی سن لیں، میں نے صرف آپ سے محبت کی ہے اور میں جان تو دے سکتی ہوں مگر کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی، بہت جلد آپ کو میری شادی کی نہیں موت کی خبر سننے کو ملے گی۔"

"یسریٰ!" آفس کی چھت اسے اپنے سر پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"فلرٹ آپ کر رہے تھے۔ میں نہیں اور میں محبت پر جان قربان کر دوں گی۔" وہ رونا نہیں چاہتی تھی؟ مگر آنسو اس کے چہرے کو تر کر رہے تھے۔

"پاگل ہو گئی ہو یسریٰ!" ہاں، ہاں! میں پاگل ہو گئی ہوں آپ کی محبت و چاہت میں۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" آپ کو میری محبت فضول لگتی ہے اور میں ثابت کروں گی کہ میری محبت آپ کی محبت کی طرح جھوٹ، فریب نہیں ہے۔" اس نے لائن کاٹ کر کے موبائل بیڈ کی سائیڈ پر ڈال دیا تھا اور تکیے میں منہ چھپائے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی، اسجد تو اس کی اتنی شدت پر حیران رہ گیا تھا اور بڑی بے قراری سے اس کا نمبر ڈائل کر رہا تھا، بیل تو جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہی تھی۔

"ڈیم اٹ! کال تو ریسیو کرو پاگل لڑکی!" آٹھویں کال پر اس نے یس کیا تھا۔

"یسریٰ!"

"مر گئی یسریٰ، آپ نے مار دیا اسے، اب یہاں کال کیوں کر رہے ہیں؟ فلرٹ کر رہے تھے ناں مجھ سے ؟ تو اب کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ میں جیوں یا مروں آپ کو اس سے مطلب؟"

☆☆☆

(بقیہ قسط اگلے شمارے میں انشاءاللہ)

مسلمانوں کی ترقی تنزلی میں تبدیل کیوں؟
القرآن الحکیم
عمیر احمد ہزاروی
©Victor Archer '08

مسلمانوں کی ترقی تنزلی میں تبدیل کیوں۔۔۔؟؟؟

تحریر: عمیر احمد ہزاروی

اگر تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ تیئس سالہ دور نبوت تیس سالہ دور خلافت اور نو سو سالہ خلافت عباسیہ تک اسلام اور اہل اسلام روئے زمین پر غالب تھے اقتدار اعلیٰ بھی اسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، اسلامی تہذیب وتمدن اور معاشرہ غیر اسلامی تہذیب وتمدن اور معاشرت پر غالب تھا، دنیا کی تمام قومیں اسلام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں، خلافت عباسی کے دور میں علم وحکمت اور صنعت اور تجارت کا بازار گرم تھا جن کی چابیاں اہل اسلام کے پاس تھیں، مسلمان ساری دنیا میں ترقی پذیر سمجھے جاتے تھے، مسلمان اپنی امتیازی شان وشوکت اور قدر ومنزلت رکھتے تھے جس پر انہیں ناز بھی تھا اور غیر مسلم اس پر رشک کرتے تھے۔ غیر مسلم اس وقت ایک جاہل قوم سمجھی جاتی تھی۔ مسلمانوں کو یہ ترقی اس لیئے ملی کہ انہوں نے خلافت عباسیہ تک اپنے خالق اللہ تعالیٰ کے احکامات اور آقائے نامدار ﷺ کے طور وطریقے پر عمل پیرا تھے کیوں کہ خلافت عباسیہ تک حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ سمجھا جاتا تھا، تہذیب وتمدن، اخلاق وعادات، رسم ورواج، معاشرت اور معاملات سب آقائے نامدار ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے موافق تھے: کیوں کہ عدالتی نظام میں تمام تر فیصلے قرآن اور سنت کے اصولوں کے مطابق کیئے جاتے تھے، اسلام کے تمام مقررہ حدیں جاری ہوتی تھیں، امیر وغریب، غالب ومغلوب اور طاقتور وکمزور تر سب کیلیئے عدل وانصاف کے دروازیں کھلے رکھے گئے تھے، معاملات اور معاشرت کے تمام تر اصول اسلامی اصول کے موافق تھے، امن امان عدل انصاف کا بول بالا تھا، نہ بدامنی، نہ دہشت گردی اور نہ ہی ظلم وجبریت تھی بلکہ امن ہی امن، ترقی ہی ترقی اور انصاف ہی انصاف تھا۔

مسلمانوں کو کیا ہوا کوئی آفتِ سماوی نازل ہوئی؟ یا ان کو کسی کی نظر بد لگی؟ کہ آج مسلم معاشرہ بدامنی، دہشت گردی، غارت گری، مظلومیت، سفاکیت، مہنگائی، تنزلی، پستی اور ترقیوں سے کوسوں دور جیسے مصائب میں نظر آرہے ہیں؟ اسلام تہذیب وتمدن اخلاق، وعادات، رسم ورواج، طور وطریقے، معاملات اور معاشرت کے جنازے کیوں نکل گئے؟ مسلمانوں کی ترقی پستی پر مالکیت مملوکیت پر اور غالبیت مغلوبیت پر کیوں تبدیل ہوگئی؟

تاریخ کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب سے غیر مسلموں نے مسلمانوں کی ترقی کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے علم وحکمت او رصنعت وتجارت کا علم حاصل کرنے کے واسطے مسلم معاشرے میں داخل ہوئے تو وہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگ چلے گئے۔ تب سے مسلمانوں ترقی، بلندی، رفعت، شان وشوکت اور قدر ومنزلت کھو بیٹھے ہیں۔ کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ جب بھی دو قوم، قبیلہ اور مذہب کے افراد آپس میں اختلاط کرنے لگ جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے تہذیب وتمدن، اخلاق وعادات، طور وطریقے، معاشرت، معاملات اور ملبوسات میں گھل مل جاتے ہیں۔

یوں ہی انہوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ اختلات کر کے علم وحکمت اور صنعت وتجارت کا علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے مسلمانوں کے وہ تمام تر تہذیب وتمدن، اخلاق وعادات، رسم رواج اور طور طریقے اپنا لیئے جس کی بناء پر انہیں ترقی ملی تھی۔ لہذا وہ اپنی سعی، کاوش اور محنت میں کامیاب وکامران ہوئے جس سے انہیں وہی ترقی بھی ملی اور پذیرائی بھی جو مسلمانوں کو ملی تھی۔

اسی طرح غیر مسلم کی اختلاط کی وجہ سے ہمارے کم فہم اور سادہ لوح مسلمان ان غیروں کی ظاہری عیش وعشرت، ناز نخرے، خوش وخرم اور لباس کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی شان وشوکت اور قدر ومنزلت کھو بیٹھے اور غیروں کی وہ تہذیب وتمدن، اخلاق وعادات، رسم ورواج، طور

وطریقے، معاملات، معاشرت اور ملبوسات اختیار کرنے لگے جس کی وجہ سے وہ ترقی سے کوسوں دور تھے، جس کا نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں کی وہ ترقی جس پر انہیں ناز تھا، غیروں کو اس پر رشک تھا اور جس کے واسطے پوری دنیا میں مسلمانوں کا چرچا تھا وہ سب کچھ خاک میں خاک ہوگیا۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اس لیئے کہ مسلمانوں نے اپنے خالق اللہ تعالی کے احکامات کو اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طور وطریقے پسے پشت ڈال دئے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا معاشرہ پر امنی سے بدامنی میں، عدالت سے ظلمت میں، ترقی سے پستی میں، غالبیت سے مغلوبیت میں اور مالکیت سے مملوکیت میں تبدیل ہوتی گئی۔

اگر مسلمان آج بھی اپنی سابقہ حکومت، شان وشوکت، قدومنزلت اور غالب ہونے کے خواہش مند ہو تو اب بھی وقت ہے، کہ وہ اپنے سابقہ اعمال اللہ تعالی کے احکامات پر اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل پیرا ہو جائے تو مسلمان اپنی سابقہ حالت پر آنا ممکن ہوسکتا ہے ورنہ مشکل ہے۔

دہشت گردی
علینہ ملک

افسانہ۔۔۔دہشت گردی۔

تحریر...............علینہ ملک......

بند اندھیری کوٹھری کا آہنی دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور بھاری بوٹوں کی دھمک نے چار دیواری کے سکوت کو منتشر کیا تھا،آواز کی گونج اور روشنی کی چکا چوند نے اندر موجود ساکت وجود کو ایک لمحے کے لیے متوجہ کیا......داخل ہونے والے باوردی شخص نے اندر پھیلی تعفن کی وجہ سے ناک سکیڑا اور پھر رعونت سے چلتا ہوا اس بے جان وجود کی جانب بڑھا جو روشنی میں اپنی بینائی تلاش کر رہا تھا،اور ایک بوٹ اس کے سینے پر رکھتے ہوئے دھاڑا...............بول دماغ درست ہوا یا نہیں ،یا ابھی بھی وہی اپنی ضد پر قائم ہے؟ اور لیٹے ہوئے شخص نے آنکھوں سے بازوں ہٹا کر حقارت سے اپنے سامنے کھڑے فرعون صفت شخص کی جانب دیکھا اور پھر اس کی طرف تھوکتے ہوئے ایک بار پھر بازوں آنکھوں پر رکھا تھا درد کی ایک شدید لہر اس کے سینے سے اٹھی تھی مگر ضبط کمال سے اس نے برداشت کیا تھا......

بول کمینے..............آخر کب تک منہ پر چپ کا قفل لگا کر رکھے گا؟اس کا گریبان تھام کر وہ ایک بار پھر چلایا تھا،کون ہے تمہارے پیچھے کہاں سے دہشتگردی کی تربیت لے کر آتے ہو کون ہے تمہارا لیڈر؟ بولو آخر کب تک بھوکا پیاسا رہنے کا ارادہ ہے یا پھر اسی کال کوٹھری میں دفن ہونا ہے......بالوں سے پکڑ کر خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے دھاڑا اور پھر ایک روز دار ٹھوکر رسید کرتے ہوئے واپسی کے لئے مڑا بھاری بوٹوں کی دھمک کچھ دیر تک چار سمت گونجتی رہی......اور سیاہ کال کوٹھڑیوں میں بند بے شمار قیدی روشنی اور ہوا سے مستثنٰی اس سیلن زدہ ماحول میں خود کو صبر کی تھپکی دیتے رہے.........................

وادی میں احتجاج کی تحریک ایک بار پھر زور پکڑتی جا رہی تھی وہی فرعونیت کے لبادے میں چھپے انسانوں نے انسانیت پر ظلم کی ایک نئی داستان رقم کر ڈالی،حریت آزادی کے پروانوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی وہ پچھلے کئی برسوں سے حق خودارادیت کے لیے علم بلند کیے ہوئے تھے.....................دوسری طرف ہال نما کمرے میں اعلیٰ سطح کی ایک اہم میٹنگ جاری تھی......برہان وانی کی شہادت نے کشمیریوں کی جدوجہد آزادی میں پھر سے ایک نئی روح پھونک ڈالی ہے وادی میں بڑھکتی ہوئی اس آگ کو ٹھنڈا کرنا ہوگا ورنہ یہ تحریکیں پھر سے زور پکڑتی جائیں گی......سر یہ یقیناً بارڈر پار سے دہشت گردی کی تربیت لے کر آ رہے ہیں،ایک باوردی آفیسر نے لقمہ دیا......................ان کو اس طرح عبرت کا نشان بنا ڈالو کہ یہ پھر سے سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے ہم یہاں کسی قسم کی دہشت گردی برداشت نہیں کر سکتے.........................میٹنگ برخاست ہو چکی تھی اور نہتے شہریوں کو جدوجہد سے روکنے کے لیے ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دیا جا چکا تھا......................

اور پھر معصوم بچوں اور مظلوم مسلمانوں پر ظلم کی ایک نئی واردات قلم کی گئی پیلٹ گن استعمال کر کے ہزاروں بچوں،بوڑھوں اور جوانوں کے چہروں کو مسخ اور بدن کو چھلنی کیا گیا کتنوں کی بینائی چھین لی گئی اور کتنے ہی چہرے مسخ کئے گئے ہزاروں بدن چھلنی ہوئے مگر کوئی یار و مددگار نہیں......

پوری عالمی برادری اور حقوق انسانیت کے علمبردار،ان انسانیت سوز مظالم پر ہنوز خاموش تماشائی،سارا عالمی میڈیا چپ..............کیوں

کہ دہشت گردی تو وہ ہے جو نہتے کشمیری اپنے حق خودارادیت کے لیے لڑتے ہوئے کر رہے ہیں یا دہشت گردی تو وہ ہے جو مسلمان ظلم سے تنگ آ کر ردعمل کے طور پر کرتے ہیں....................یا اللہ

اس تاریک رات کی صبح کب طلوع ہو گی کوٹھڑی میں بند کتنے ہی قیدیوں نے دکھ سے سوچا تھا......

یہ سال بھی گزر گیا
افشاں شاہد
2016

یہ سال بھی گزر گیا

افشاں شاہد۔ کراچی۔

وقت کبھی کسی کے لیئے نہیں رکتا دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے لوگ صفا ہستی سے مٹ جائیں بستیاں اجڑ جائیں لیکن وقت گزرتا رہتا ہے اور یہ وقت کا گزر جانا بھی ایک نعمت ہے کیونکہ اگر وقت تھم جائے تو سلسلہ زندگی بھی رک جائے، کائنات کی ہر چیز ساکت ہو جائے، اور انسان بس اپنے پیاروں کو یاد کرتا رہے اور اشک بہاتا رہے یا پھر اپنے حسین ماضی کی یادوں میں کھو کر اپنے حال کو فراموش کر دے تو اس پروردگار کا ہم بندوں پر یہ احسان ہے کہ وہ وقت کے پہیے کو رواں دواں رکھتا ہے۔ جس طرح کوئی لمحہ دائمی نہیں ہے اسی طرح کوئی سال بھی ایسا نہیں جو برقرار رہے ۔ یہ سال بھی گزر گیا جس طرح پچھلے سال گزر گئے اور کچھ دنوں کے بعد یہ سال ایک پرانا قصہ اور بیتی یاد بن جائے گا اور ہمیں اس سال کے بارے میں یاد کرنے کے لئے بھی ذہن پر زور دینا پڑے گا۔

اس سال نے کسی کا دامن خوشیوں سے بھر دیا تو کسی کی آنکھوں میں اشک دے گیا کسی کو کامیابی کا تاج پہنایا تو کسی کے مقدر میں ناکامی لکھ گیا لیکن جو گزر گیا اس پر کیا رونا اکثر لوگ پرانی ناکامیوں کو دل سے لگا لیتے ہیں اور آگے بڑھنے کی جدوجہد کو ہی ترک کر دیتے ہیں اس طرح وہ اپنی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیتے ہیں ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ناکامیوں سے سبق حاصل کریں اور نئے سال میں اپنی زندگی کا ایک نیا مقصد بنائیں اور پھر اس مقصد کو حاصل کرنے کی جدوجہد کریں اور اپنے آپ کو اس بات پر آمدہ کریں کہ ہار اور جیت زندگی کا حصہ ہیں ہار سے دل برداشتہ ہونے کے بجائے نئے ولولے اور جوش کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشاں رہیں اور ناکامی کو کامیابی کا زینہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھیں ایک دن ضرور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

اس سال میں جو لوگ آپ سے روٹھ گئے ان سب کو منا لیں یہ مت سوچیں کہ کس کی غلطی ہے کس کا قصور ہے کیونکہ ہمارا دین صلہ رحمی کا درس دیتا ہے نا کہ قطع تعلق کا اور پھر یہ احساس کہ سب لوگ آپ سے خوش ہیں آپ کو پرسکون رکھے گا اور آپ نئے سال میں اس احساس کی بدولت اپنے فرائض بہتر طریقے سے ادا کر سکیں گے۔ یہ سال تو گزر گیا اور ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ جب ہم بھی گزر جائیں گے اور شاید ہمیں کوئی یاد بھی نہ کرے کیونکہ یہی دنیا کا دستور ہے کہ جو آنکھ سے اوجھل ہوتا ہے وہ ذہن سے بھی اوجھل ہو جاتا ہے تو کیا ہم نے اپنی اصل منزل پر جانے کی کوئی تیاری کی اگر نہیں کی تو اب بھی وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے اس لیے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آپ سے عہد کریں کہ ہم آنے والے سال میں اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کرینگے اور اس نے جو حقوق و فرائض ہم پر لاگو کیے ہیں ان کی ادائیگی کی ہر ممکن کوشش کرینگے کیونکہ اسی میں انسان کی بھلائی اور فلاح ہے۔ میری دعا ہے کہ نیا سال ہر ایک کے لئے خوشیوں اور امن کا پیغام لے کر آئے۔

احساس ندامت
زارا صدف قمر

احساس ندامت۔

از۔زارا صدف قمر

سجنا ہے۔۔۔مجھے سجنا کے لئے ذرا الجھی لٹیں سوارلوں۔

شانزے اپنے سجن کے خیالات میں گم اپنی چوٹی باندھ رہی تھی۔

افف اک تو میری فیملی۔۔۔صبح سے اپنے گھر والوں کی جلی کڑی باتوں سے بور ہو چکی ہوں تو اب تھوڑا نہادھو کر فریش ہو لی۔۔۔

شانزے خود سے ہمکلام تھی۔

یہ میٹھا میٹھا درد یہ بے چینی اسے کسی خاص کے میسج کا انتظار تھا۔

جوں ہی میسج کی ٹون سنائی دی۔۔گالوں کی لالی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

پیارے اللہ جی !ولید شاہ کو میرا کر دو۔اس کو میرا کر دے۔

شانزے کے من میں ہمہ وقت یہ دعا رہتی۔

شانزے ڈھیر ساری سیلفیاں ولید شاہ کو انباکس کر چکی تھی جس پر اسٹیکر کمنٹس اور توصیفی جملے موصول ہو رہے تھے۔

شانزے کو ولید شاہ اک سوشل میڈیا کے گروپ سے ہی ملا تھا۔جسکی شانزے دیوانی ہوتی جا رہی تھی۔

آج کے اس دوڑتے زمانے میں کسی کو جاننے میں کہاں ٹائم لگتا ہے۔شانزے نے تصویروں سے لیکر تمام معلومات حاصل کر چکی تھی۔

نادان کو یہ معلوم نہ تھا یہاں جھوٹ کتنا عام ہے۔

صبح وشام شانزے کا گھر میں لڑ کر منہ پھولا کہ ایک کونے پر بیٹھ جانا اور بیٹھ کے ولید شاہ کے بارے میں جان جان کے خود پر ناز کرنا روز کا معمول تھا۔

شانزے دن بدن گھر والوں سے دور اور ولید شاہ کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

محبت دو لوگوں کے دل سے جذبات سے احساسات سے ملن کا نام ہوتی ہے۔ تبھی تو وہ محبت کہلاتی ہے۔جو آج کل کے لڑکے یا تو جانتے نہیں یا جاننا ہی نہیں چاہتے۔

خود سے شانزے سوال جواب کا بھرپور ماحول بنا کہ گویا کئی گھنٹوں سے گم تھی۔۔۔شانزے ولید شاہ سے بات کرنے میں کامیاب تو ہو گئی تھی۔مگر ساتھ ساتھ حیران بھی،وہ نہایت خوبصورت اور ایک کامیاب انسان تھا۔

ایسا شخص شانزے کو ملنا مشکل نہیں ناممکن بھی تھا۔کم درجہ پڑھی لکھی فیملی اور کہاں وہ رئیس مگر دونوں اک اچھے دوست بن چکے تھے۔

ولید شاہ روز شانزے سے باتیں کرتا اور شانزے روز لمحہ بہ لمحہ کسی نہ کسی زریعے سے اسکو اپنی تصاویروں سے لطف اندوز کرتی۔۔۔

شانزے آج سخت بیماری کی کیفت میں اپنی ماں کے بغل میں لیٹی تھی۔

ماں محبت وشفقت سے اپنی لاڈلی بیٹی کا سر دبا رہی تھیں۔

صبح سے شام ہو گئی تھی۔شانزے کی ولید شاہ سے بات نہ ہوئی تھی۔شانزے اب سخت بخار کے باوجود ہمت کر کے اٹھی تھی موبائل اٹھایا ڈیٹا کنکشن آن کیا تھا۔بے چینی سے انباکس آن کیا ولید شاہ کی جانب سے کوئی پیغام نہ تھا۔شانزے کو دکھ ہوا وہ آن لائن آ رہا تھا۔

شانزے نے خود ہی میسج کیا تھا اپنی طبیعت بتائی۔

ولید شاہ کی بات پر وہ حیران رہ گئی۔یعنی بیمار ہے تو اس بات کا یقین دلانے کے لیے بھی اسے سیلفی بھیجنی

تھی۔ جب اس نے ولید شاہ کی تصویر کے کمنٹ پر بے تحاشہ شانزے جیسی دیوانیاں محبت کا کشکول لئے ولید شاہ کے دل کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

۔اور ولید شاہ انہیں نہایت ادب سے قبول کرر ہا تھا۔۔۔

شانزے کو آج قرآن کی وہ آیت یاد آئی تھی۔۔۔۔۔۔۔

(بے شک ہم نے پاک مردوں کیلئے پاک عورتیں اور نیک عورتوں کیلئے نیک مرد بنائے پس تم اپنے رب پر ایمان لاؤ۔۔۔۔)

یہی آیت شانزے کو زندگی کی طرف کھینچ کر واپس لے آئی۔

مجھے خود کو باحیاء۔۔۔اور شرم وحیاء کی پیکر بنانا ہے۔ مجھے اپنے رب پہ یقین ہے کہ مجھے میرا ساتھی بھی ایسا ہی عطا کرے گا جیسی میں خود کو بناؤنگی۔۔۔۔شانزے کو ولید شاہ سے محبت تو تھی مگر ایسی محبت کا کیا فائدہ جس میں اسکو ہر لمحہ بہ لمحہ تصویریں بھیج کے جتانی پڑے۔۔

ویسے ولید شاہ کو یاد بھی نہیں آتی کہ کوئی شانزے بھی ہے اس دنیا میں۔

شانزے کو اپنے وجود کی قیمت کا احساس ہو رہا تھا جب وہ بے تحاشہ تصاویر ولید شاہ کی نظر کر چکی تھی۔

اب احساس ندامت میں گھیری تھی کہ نہ محرم کو تصاویر دے کر کتنی گہنگار ہو چکی ہے۔ دنیا کی زندگی تو بس چلنے کا نام ہے۔مگر اس کا کوئی نا کوئی تعلق ہماری سوچ سے ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ خود ہی کیچڑ میں گرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے۔۔مگر جوں ہی آپ اس کیچڑ سے نکلنے کی ٹھان لیتے ہے۔۔خدا کی قسم خدا کی ہی مدد آتی ہے۔۔اور ہمیں اپنی رحمت کے پروں میں پھر سے محفوظ کر لیتی ہے۔۔ جیسے چڑیا اپنے بچوں کو۔۔۔

گر کہ سمبھلنا ہی اصل تقویٰ ہے۔یوں تو سب ہی انسان بنے پھرتے ہیں۔۔۔

رنگ بہاراں
کنول خان

غزل۔۔۔۔

کوئی راستے میں آ گیا ہوگا،

ہاتھ تم نے قلم کو لگایا ہوگا،

قرطاس پر بکھرے جب احساس،

قتل تمہارے جذبات کو کیا ہوگا،

سانچا اشعار کا بنا ہوگا،

دل کی کیفیت بیان کر رہا ہوگا،

یہ انداز جینے کا کبھی سوچا ہوگا،

قلم اور قرطاس کو ہمراز بنایا ہوگا،

لکھنے سے پہلے تم کو جانتا ہوگا،

خدیجہ یہ تم ہو سوچا ہوگا۔

خدیجہ کشمیری۔مقبوضہ کشمیر

بشارت۔

سنو جب خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں

کسی کے لوٹ آنے کا

تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے

اس کی آمد کی کہانی کو

وفا کی حکمرانی کو

سنو، تم بھی ذرا دیکھو

محبت کی دعائیں مانگتی شب نے

نئے اک سرخ رو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں

یہ کیسا خوشنما احساس ہے

آئندہ برسوں میں

ہر اک موسم میں، ہر اک دن کی دھنک کرنوں کو

ہم اک ساتھ برتیں گے

سنو، یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں۔

سیدہ طلحہ بخاری۔۔۔۔اوکاڑہ

نظم۔

شازیہ کریم۔

یہ جو شام کی اداسی ہے،
میرے نفس پر اترتی بکھرتی ہے۔
خدارہ حذر کرو تم۔
مجھے نہ دیکھو تم۔
نہ میرے دکھ کا سفر کرو تم،
ہوا کو اتنی خبر کرو تم،
یہ ہوا جو مجھ سے میری اداسی سے
الجھ رہی ہے۔
یہ ہوا جو بین کر رہی ہے،
یہ ہوا جو میرا رستہ مٹا رہی ہے،
یہ ہوا جو میرے اجاڑ دل کا دیا بجھانے کی ضد میں،
منہ زور ہو چلی ہے۔
ہوا کو تم اتنی خبر کرو خدارہ،
کہ میرے احساس کا اثاثہ،
یہ میرا دل، یہ مرا اپنا اجاڑ دل ہے،
جو خیمہ جاں کے کنج ویراں کا،
آخری کم نفس دیا ہے،
یہی دیا تو ہے مرا جو شام ویراں میں،
صبح امید کا سبب ہے،
یہ جہاں بہہ بلب ہے،
ہوا کو اتنی خبر کرو تم جاناں،
یہ دیا کائنات تم اداسیوں کی نظر نہ کرو، تم،
یہی دیا تو متاع حیات ہے مری۔
یہی تو مسافرت میں میرا رخت شب ہے۔

نظم۔

شازیہ کریم۔

سنو جاناں۔

مجھ سے کبھی نفرت نہ کرنا،

مجھ کو شاداب رکھنا،

میری جلتی ہوئی تنہا ذرد تنہائی کے

تن پر برفاب رکھنا۔

میرے سینے میں بھی اپنے دل کی طرح

موج سیماب رکھنا۔

اپنی سانسوں کی صورت سنبھال رکھنا۔

مجھ کو پہچان۔۔تیری ضرورت ہوں میں۔

زندگی کی طرح خوبصورت ہوں میں،

کتنے کھلتے ہوئے پھولوں نے نکھارا ہے مجھے،

مجھ سے نفرت نہ کرنا مجھ کو شاداب رکھنا۔

مجھ پر حیرت نا کرنا۔

دھوپ کا روپ ہوں میں،

دودھیا چاند کی بے خلل چاندنی ہوں میں،

میری پوشاک ہے چاند جھومر میرا،

بس مجھ کو بنتی بگڑتی ہوئی

موت کی وحشتوں سے بچائے رکھنا۔

بس مجھ سے نفرت نا کرنا۔

نظم ----

سن سانسوں کی سلطان پیا،

تیرے ہاتھ میں میری جان پیا،

میں تیرے بن ویران پیا،

تو میرا کل جہان پیا،

میری ہستی مان سمان بھی تو،

میرا ذکر، ظاہر، وجدان بھی تو،

میرا کعبہ، تھل، مکران بھی تو،

میرے سپنوں کا سلطان بھی تو،

کبھی تیر ہوئی، تلوار ہوئی،

تیرے ہجر میں آن بیمار ہوئی،

میں کب تیری سردار ہوئی،

میں ضبط کی چیخ پکار ہوئی،

میرا لوں لوں تجھے بلاوے وے،

میری جان وچھوڑا کھاوے وے،

تیرا ہجر بڑا بے درد سجن،

میری جان پے بن بن آوے وے،

میری ساری سکھیاں روٹھ گئیں،

میری رو رو اکھیاں پھوٹ گئیں،

تجھے ڈھونڈ تھکی میں نگر نگر،

میری ساری آسیں ٹوٹ گئیں،

کب میری عرضی مان پیا،

میں ازلوں سے نادان پیا،

میں گم صم، سنسان پیا،

تو میرا کل جہان پیا،

سن سانسوں کی سلطان پیا۔

حماد ظفر ہادی۔ منڈی بہاؤالدین۔

.................ہم سفر کی یاد میں.......................

جب تنہائیاں ڈسنے لگتی ہیں

جب یاد تیری ستاتی ہے

جب سوچیں پاگل کرتی ہیں

تب تنہائیاں ڈسنے لگتی ہیں

من آنگن کے دریچوں کو

ہر شام ہی کھول کے رکھتی ہوں

احساس و گمان میں بساتی ہوں

میں راہیں تیری تکتی ہوں

جب شام کے سائے ڈھلتے ہیں

جب پنچھی گھر کو آتے ہیں

جب صبح کے ساتھی جاناں

جب شام واپس آتے ہیں

جب بچے شور مچاتے ہیں

ابو کی آمد کے گن گاتے ہیں

تب کلیجہ منہ کو آتا ہے

دل خون کے آنسو روتا ہے

جب رات ڈھلے میرے چاروں طرف

تیری یاد کا میلہ لگتا ہے

جب بچے اپنے تنہا ساجن

شام کو گھر کو آتے ہیں

وہ لمحے جان پہ بھاری ہیں

جب سچائی کو ماننا پڑتا ہے

تم راہی ہو ان راہوں کے

جس راہ پہ سب کو جانا ہے

دل پاگل کو سمجھانا ہے

تجھے واپس پھر نہیں آنا ہے

اس پاگل سودائی کو

کچھ وقت لگے گا بہلنے کو

یہ زخم ابھی کچھ تازہ ہے

پھر صبر بھی شاید آ جائے

ابھی وقت ہی کتنا گزرا ہے

شاعرہ۔۔۔شاہین آرزو

نظم۔

وصل کی ان بے مول راتوں میں،
یوں روٹھا نہیں کرتے،
محبت ہو جائے تو سنو،
یوں ستایا نہیں کرتے۔
سنگ چلنے کی باتوں پہ
یوں ہارا نہیں کرتے،
ہجر کے شدید لمحات میں
یوں مسکرایا نہیں کرتے
رستے دھندلا جائیں تو
یوں ڈگمگایا نہیں کرتے
ان بے مول راہوں سے
یوں لوٹا نہیں کرتے۔

منا ہل فاطمہ۔۔۔۔لاہور

آزاد پنچھی۔

گر آزاد پنچھی جو ہم ہوا کرتے
تو اپنی منزل چنا کرتے
نہ کرتے خیال اس دنیا کا
ہم تم سے ایسی وفا کرتے
تم ہم کو جہاں لے جاتے
نہ تم سے کوئی بھی گلہ کرتے
بس تھام کے تیرے ہاتھوں کو
تیرے نقش پا پہ چلا کرتے
نہ ڈر ہو کبھی جدائی کا
ہم ایسا کوئی سودا کرتے
اک بار جو کہتے میرے ہو صنم
پھر دیکھتے ہم کیسے خود کو فنا کرتے
برسوں سے راہ تک رہی ہے دیا
اے کاش کہ تم یوں نہ جدا کرتے۔

شاعرہ۔ دیا خان بلوچ

☆Poetry☆

By:Anila Murtaza

Your absence makes me

sick of the world i surround

Your presence is like

heavenly sheath i put around

A fullness to my hollowed existance

A fluidity in rigorous resistence

With you i feel a bloom in my blood

A roaring pleasure in me makes a flood

Without you i am a dry,

yellow ,lifless Autumn

I withered of life from top to bottom

It rusts the fertility

with a pungent squeeze

And causes in me a miscarriage of golden trees.

Poetry

By: Umm E Shafia

Oh my restless wish
Thy sake
I entered in the dark endless
forest .
Bare footed
Without any lantern.

....

My restless wish!
Thou assassin of my
freedom.
You made me a captive of
wistful eyes
And.
evicted me from
flickering lane to deserted
desert
in an abortive quest
O` you bewitching mirage.

....

You converted a lifelike
nightingale
into a mere dusky evening of
antumn.
Oh my restless wish
How cruel you are ...!
Have some mercy ...!

send your feedback ,

stories , articles ,poetry on this

email address .

saatrang.magzine@gmail.com